

بھار پاکستان

05-28-2017



فہرست

بچوں کی دنیا

۱	تین دوست
۳	نخا پانڈا

سائنس / سینکڑالوجی

۴	جلد کی حفاظت اور گھر بلو نئے
۶	کمپیوٹر وائرس

معاشرہ اور ثقافت

۷	انگلش و انگلش
۸	انوکھی سزا
۹	بے چین
۱۲	پر لطف ترین شخص
۱۳	ترقی
۱۳	جنگلات کی معاشی ، ماحولیاتی اہمیت !
۱۶	خواتین کا عالمی دن
۱۷	کاروباری راز
۱۸	مدر ڈے
۱۹	نئی زندگی

میں آتے مجھے نہیں گرا سکتے تھے۔“

”میں بے کار میں نہیں ڈر رہا ہوں۔ بل کہ صحیح معنوں میں ڈر رہا ہوں۔“ پھد کو نے کہا۔ اور پھر سرگوشی کے انداز میں جیسے چوں کو یوں لے لا کہ : ”میں تو کہوں گا کہ اب تم بھی اُس کے ساتھ کھلنا چھوڑ دو۔ نہیں تو وہ کسی دن تمہیں بھی ضرور دھوکا دے گا۔ اور تمہارے دونوں کان کاٹ کر کھاجائے گایا تمہاری دم چبا جائے گا۔ وہ بہت دھوکے باز ہے۔“

”یہ سب سراسر غلط ہے۔“ جیسے چوں بوی۔

”غلط بات نہیں ہے۔“ پھد کو نے بات کاٹی اور آگے بولا: ”کیا بلی اور کتے کی بھی دوستی رکھتی ہے۔ بلی کتے کو دیکھ کر ہیشہ ڈرتی رہی ہے۔ کوئی وجہ ہوگی تب ہی تو بلی کتے سے ڈرتی ہے۔ میں نے تمہاری بھلائی کے لیے یہ نصیحت کی ہے اب تمہاری مرضی تمہیں اس کے ساتھ کھلنا ہے کھلیو۔ لیکن یاد رکھنا وہ ضرور کسی دن تمہیں دھوکا دے گا۔“ پھد کو نے پھر سے یہ بات دھرا کی کہ : ”وہ تمہارے دونوں کان کاٹ کر کھاجائے گایا تمہاری دم چبا جائے گا۔ وہ بہت دھوکے باز ہے۔“



”یہ بات تو غلط ہے کہ بلی اور کتے کی بھی نہیں بھتی لیکن یہ سب کے ساتھ غلط ہی نہیں ہے، ہم دونوں ایک دوسرے کے بہت انتہجے دوست ہیں۔“ پھیں چونے پھد کو سے کہا۔

”اچھا! دوسری مثال بھی سنو۔“ پھد کو بولا: ”شیر اور ہرن میں کبھی دوستی نہیں ہی گئی۔ جب بھی شیر ہرن کو دیکھتا ہے، وہ اس کو مارنے دوؤٹتا ہے۔ اگر پکڑ لیتا ہے تو وہ ہرن کو مار ہی ڈالتا ہے۔ اس لیے شیر ہرن کو دیکھ کر بھاگتی ہے۔ اسی طرح بلی اور کتے کا معاملہ ہے۔“

”میں تمہاری اس بات سے اختلاف نہیں کرتی۔“ پھیں چو نے کہا۔ اور بوی : ”بل کہ میں ایک مثال اور دیتی ہوں، وہ بھی کسی دوسرے کی نہیں خود اپنی یعنی بلی اور چوہے کی۔ بلی چوہے کی دشمن ہے، وہ جہاں کہیں چوہے کو دیکھتی ہے اس کو مار ڈالتی ہے۔ لیکن کہیں بلی اور چوہے کی دوستی ہوئی ہے؟ میری اور تو تو کی دوستی کی بات الگ ہے۔“

تو تو کچھ نہیں بولا اور ہستا رہا۔
اس کے بعد تو تو کہیں سے گیند اٹھا لایا۔ دونوں کچھ دیر گیند سے کھلیتے رہے۔

شام ہو رہی تھی۔ تو تو بولا: ”چیں چوا اب میں گھر جاؤ گا۔ آج تو کھلیتے کھلیتے تھک گیا ہوں۔ ماں انتظار کر رہی ہو گی۔ آج وہ کچھ دیر بعد مجھے کہیں گھمانے لے جائیں گی۔“

”تو جلدی جاؤ!“ جیسے چوں بوی۔ ”میں بھی تھک گئی ہوں۔ لیکن کل مجھے ضرور بتانا کہ تم کہاں گھونٹنے گے تھے۔“ وہ پھر بوی۔ ”کل میری ماں مجھے کچھ نئی چیز کھانے کو دینے والی ہیں مگر مجھے بتایا نہیں ہے۔ دیکھیں کیا دیتی ہیں؟“

تو تو اپنے گھر چل دیا اور چیں چو اپنے گھر۔ دونوں کو الگ الگ سمت جانا تھا۔

جب چیں چو اپنے گھر جا رہی تھی۔ راستے میں پھد کو بندر ملا۔ وہ درخت کی ایک شاخ پر بیٹھا تھا۔ چیں چو کو دیکھتے ہی شاخ پر سے بولا: ”کھو کھو... کھو کھو۔“

چیں چوں سمجھ گئی کہ یہ پھد کو بندر ہے۔

”ارے بھتی! کیا حال ہے؟ نیچے تو آؤ۔“ چیں چو بوی۔ ”کچھ کہنا ہے کیا؟“

”کہنا تو ہے لیکن نہیں کہوں گا۔ آج کل تو تم تو تو کے ساتھ زیادہ کھلیتی ہو۔ میں تو درخت کی شاخ پر اکیلا میٹھا رہتا ہوں، تم کو تو میرا خیال ہی نہیں رہتا۔“ پھد کو نے شکست کی۔

”تو تم بھی کھیلا کرو ہمارے ساتھ، بڑے برگ کے پاس آجائیا کرو۔ دیں تو تو آتا ہے ہم تینوں مل جل کر کھیلا کریں گے۔“ چیں چو نے دوستا نہ انداز میں کہا۔

”ہاا... ہاا... ہاا...“ پھد کو زور سے ہنسا اور کہنے لگا: ”میں تو۔ تو تو کے ساتھ نہیں کھیلوں گا۔ نہ جانے کب وہ مجھے کاٹ لے؟ جب وہ بھوکلتا ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے بادل گرج رہا ہو۔ مجھے تو اس سے بہت ڈر لگتا ہے۔“

”تم بے کار میں تو تو سے ڈر رہے ہو۔“ چیں چو بوی۔

تمن دوست

مصنف: سفیان خان

چیں چوئی اور تو تو کتا مل کر کھل رہے تھے۔ چیں چو نے تو تو کو دھکا مارا۔ تو تو گر پڑ۔ چیں چو تالی بجانے لگی۔ ”گرا دیا، ... گرا دیا...“



تو تو اٹھ گیا۔ اس پر تھوڑی مٹی لگ گئی تھی۔ اس نے مٹی جھلائی اور چیں چو سے بولا: ”میں گراوں تو کہنا مت کہ گرا دیا، ایسا دھکا ماروں گا کہ تم لڑھکتی چل جاؤ گی۔“

”تم گرا ہی نہیں سکتے۔“ چیں چو ہٹنے لگی۔

”چھا...“..... ”ہا!“

”تو تیار ہو چاہ۔“..... چیں چو پنج گڑا کر کھڑی ہو گئی۔

تو تو جانتا تھا کہ چیں چو پنج گڑا کر کھڑی ہو جائے گی اور وہ اسے گرانی پیچائے گا۔ پھر بھی وہ اس کے پاس آیا اور دھکا مارا۔ چیں چو ذرا سی ڈمگا کر رہ گئی۔

تم میں توبہت طاقت ہے۔ میں تج تج تم کو نہیں گرا پایا۔“
تو تو بولا۔

”میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا۔“ اتنا کہہ کر چیں چو آرام سے کھڑی ہو گئی۔ تو تو ہوشیاری سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ وہ ذرا سا پچھے ہٹا اور تیزی سے آکر ایک دھکا مارا۔ چیں چو زور سے لڑھک رک زمیں پر گر گئی۔ اب تالی بجانے کی بڑی تو تو کی تھی وہ زور زور سے ہٹنے لگا۔

چیں چو اور تو تو دونوں بہت کھلندرے تھے وہ دونوں اس وقت مذاق ہی تو کر رہے تھے۔ چیں چو کھڑی ہو گئی۔ اس نے بھی اپنے جسم پر لگی دھول مٹی جھلائی اور بوی : ”ایسا دھکا دینے سے کیا ہوتا ہے؟ ذرا پہلے ہی بول کر دیتے تو سمجھ

اب پھد کو خود ہی بولا: ”میر نے ایک دن چیل چو سے کہا تھا کہ تو تو تمہیں کسی دن دھوکا دے گا، اُس کا ساتھ چھوڑ دو۔“

تو تو ہنسا: ”بس اتنی سی بات، اس کے لیے معافی مت مانگو۔ تمہارے دل میں تنگ تھاوس وہ آج دور ہو گیا۔ ہم تینوں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

تو تو کتے نے پھد کو بذر کا ہاتھ کپڑا لیا۔ پھد کو بذر کا ہاتھ چیل چو بلی نے کپڑا لیا اور تینوں کہتے جا رہے تھے ہم تینوں دوست ہیں۔

§§§

دوسرے لڑکے نے کہا۔

اُن لڑکوں کی باتیں چیل چونے کبھی سننا اور تو تو نے بھی۔ تو تو بولا: ”چیل چو! تم تینیں رہو۔ میر ان لڑکوں کے ساتھ ساتھ جاتا ہوں۔ یہ جیسے ہی غلیل چلانے جائیں گے۔ میر اتنی زور سے بھوکوں گا کہ یہ ڈر کر بھاگ جائیں گے۔ اپنی بھوکوں سے میں انھیں ایسا ڈراؤں گا کہ پھر کبھی بھی وہ اوہر آنے کی ہست نہیں کریں گے۔“

”خیک ہے، لیکن میں بھی آتی ہوں۔ تم جا کر اُن لڑکوں کو ڈراؤ۔“ چیل چونے کہا۔

لڑکے جلدی سے درخت کے پاس پہنچے۔ ایک لڑکے نے کہا: ”دیکھو میرا نشانہ کتنا صحیح ہے میر غلیل چلاؤں گا تو میرا ڈھیلا سیدھا بذر کے سر پر لگے گا۔“

تو تو کے قریب اکر چیل چو بھی کھڑی ہو گئی۔ پھد کو بذر درخت پر سے دیکھ رہا تھا کہ ایک لڑکا اس کو غلیل مارنے والا ہے۔ اس نے سوچ لیا کہ جیسے ہی وہ لڑکا غلیل چلانے گا وہ چلانگ لگا کر دوسری شاخ پر چلا جائے گا۔

لڑکے نے جیسے ہی غلیل سے نشانہ لگایا۔ تو تو نے ایسی زور سے بھوکوں بھوکوں بھوکا کہ وہ بُری طرح ڈر گئے اور غلیل وہیں پھیپک کر نو دیگارہ ہو گئے۔ پھد کو نے دیکھا کہ لڑکے ڈر کر وہاں سے بھاگ گئے اور اس نے یہ بھی دیکھا کہ ان کو تو تو نے ڈر کر بھگایا ہے۔

اب پھد کو بڑا شرمندہ ہوا۔ کہیں ڈھیلا اسے لگ جاتا تو؟ تو تو نے شراری لڑکوں کو بھاگ کر اس پر لکھا بڑا احسان کیا ہے۔

پھد کو شاخ سے کوڈ کر نیچے آیا اور تو تو سے بولا: ”بھیا! مجھے معاف کر دینا۔“

”کس بات کے لیے؟“ تو تو نے انجمان بن کر پوچھا۔ ”کیا چیل چو دیدی نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟“ پھد کو نے کہا۔

”نہیں مجھے تو کچھ نہیں معلوم۔“ تو تو بولا اور چیل چو سے پوچھا: ”کیا بات ہے چیل چو؟“

”کچھ نہیں کوئی بات نہیں ہے۔“ چیل چو بولی۔ وہ تو تو کو کچھ بتانا نہیں چاہتی تھی کہ کہیں پھد کو اور تو تو میں دراڑ پڑ جائے۔

”میر نے جو سمجھا وہ تمہیں بتادیا۔“ پھد کو بولا۔ ”تم میری اچھی دوست ہو۔ اس لیے تم کو بتانیا، نصیحت کرو۔ اب تمہاری مرضی تم میری بات مانو یا نہ مانو، لیکن یا رکھنا وہ ضرور کسی دن تمہیں دھوکا دے گا۔“ پھد کو نے پر سے یہ بات دھراں کہ: ”وہ تمہارے دونوں کان کاٹ کر کھاجائے گا کیا تمہاری دم چبا جائے گا۔ وہ بہت دھوکے باز ہے۔“

چیل چو کو پھد کو کی یہ باتیں اچھی نہیں لگیں۔ یہ تو کسی کی برائی بیان کرنا ہوا، غیبت کرنا ہوا۔ برائی اور غیبت تو دشمن کی بھی نہیں کرنی چاہیے۔ غیبت کرنا یا کسی کی دوستی کو توڑنا یا کسی میں بھگڑا لگوادیا اچھی بات نہیں ہے بل کہ یہ تو سب سے بڑا دھوکا ہے۔ اس نے یہ باتیں پھد کو سے نہ کہی بل کہ من ہی من میں سوچتے ہوئے چپ چاپ اپنے گھر کی طرف بڑھ گئی۔



چیل چو اور تو تو نہیں کی طرح کھلیتے رہے، بہتے بولتے، گاتتے رہے۔ چیل چو روز پھد کو کھلینے کے لیے باتی رہی لیکن وہ باربار بلانے کے باوجود بھی کبھی ان کے ساتھ کھلینے کے لیے نہیں آیا۔ وہ بھی کہتا رہا کہ تو تو اسے کاٹ لے گا، وہ مجھے پسند نہیں ہے۔ بل کہ وہ چیل چو سے اکثر کہتا کہ: ”وہ کسی دن تمہیں دھوکا دے سکتا ہے وہ تمہارے دونوں کان کاٹ کر کھاجائے گا کیا تمہاری دم چبا جائے گا۔ وہ بہت دھوکے باز ہے۔“

وقت گزرتا رہا کہ ایک دن جھازی کے قریب سے چند لڑکے جا رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں غلیلیں تھیں، وہ صورتِ کھل سے ہی بڑے شراری لگ رہے تھے۔ چیل چو اور تو تو جہاں کھلیں رہے تھے وہ لڑکے وہیں سے گزرے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا: ”میرا نشانہ ایسا پا ہے کہ جس کو غلیل ماروں وہ بچھی نہیں سکتا۔ میرا اڑتے ہوئے پرندے کا بھی نشانہ لگا سکتا ہوں۔“

”تو چلیں بذر کو غلیل ماریں۔“ ایک لڑکے نے کہا۔ ”وہ دیکھو! بذر شاخ پر بیٹھا ہے۔“

”ہاں دیکھیں! کس کا نشانہ صحیح بیٹھتا ہے؟“ ایک

اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ فیل ہو گیا ہے ۔ سارے دوسری جماعت کے بچے بنس رہے تھے ، اس کا مذاق اڑا رہے تھے ۔

پنکو اپنی ای کے گلے لگ کے بہت رویا لیکن اس کے ابو بالکل خاموش بیٹھے اسے دیکھ رہے تھے ۔ پھر ابو نے پوچھا ”جس بیٹا؟“ تم نے امتحان سبق یاد کر کے دیا تھا یا نقل کی تھی؟“ پنکو کو ابو سے بہت ڈر لگ رہا تھا کیونکہ وہ شدید غصے میں تھے ۔ جب ابو نے دوبارہ سخت لبجھ میں پوچھا تو پنکو نے روتے ہوئے بتایا کہ ”میں نے نقل کی تھی کیونکہ مجھ سے یاد نہیں ہو رہا تھا۔“

تب ابو نے بتایا کہ پرنسپل سر ایلی اور ٹیچر میڈی سے ان کی پرانی دوستی ہے اور انہوں نے کہا کہ جب پنکو پر چچ حل کر رہا ہو تو پچکے چکے خاموشی سے اس پر نظر رکھیں کہ وہ پرچ کیسے حل کر رہا ہے ۔ تو جب وہ نقل کر رہا ہوتا تو سر میڈی اور سر ایلی کو پتہ چل جاتا تھا لیکن وہ جان بوجھ کر اس کو کپڑتے نہیں تھے بلکہ ابو کو بتا دیا کرتے تھے اور اسی لئے انہوں نے اسے فیل کیا تاکہ اس کو سزا دے سکیں اور اب اس کی سزا یہ تھی کہ وہ دوسری جماعت میں چلے جائیں گے پورے بچل میں اس کی بدنامی ہو گی ۔

اب نے اس کی سالگردہ پر شہد لگا بداموں کا کیک آئے گا اور نہ ٹرائی سائکل آئے گی ۔ یہ سن کر پنکو کو بہت دکھ اور شرم دیگی ہوئی اور اس نے ای، ابو اور سر سے وعدہ کیا کہ وہ اب بہت محنت سے پڑھے گا تاکہ ایمانداری سے اول پوزیشن حاصل کر کے اگلے سال تیسری جماعت میں جائے ۔ اب ابو، امی، پرنسپل سر ایلی اور ٹیچر سر میڈی اس سے بہت خوش تھے ۔



نخا پانڈا

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق

نخا پانڈا پنکو آج کل بہت خوش تھا کیونکہ اس کی امی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ سالامہ امتحانات میں اول پوزیشن حاصل کرے گا تو وہ اس کی سالگردہ پر اس کا پسندیدہ شہد لگا بداموں کا ٹیک مٹا گئیں گی اور ابو اسے ٹرائی سائکل دیاں گے ۔ پنکو خوش تو تھا لیکن ساتھ ساتھ تھوڑا پریشان بھی تھا کیونکہ اس کا پڑھائی میں کچھ خاص دل نہیں لگتا تھا اسے تو صرف باہر بچل میں دوستوں کے ساتھ کھلینا اور شہد اور کیلے کھانا بہت پسند تھا ۔ اب ظاہر ہے اول پوزیشن حاصل کرنے کے لئے تو بہت سارا پڑھنا خاص طور پر سبق یاد کرنا تو دنیا کا سب سے مشکل کام لگتا تھا ۔ رات بھر پنکو جاتا رہا اور یہ ہی سوچتا رہا کہ کوئی ایسا طریقہ ہو کہ پڑھنا بھی نہ پڑے اور اول پوزیشن بھی آجائے ۔

آخر کار صحیح تک اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی گئی ۔ اب پنکو بہت مطمئن تھا، صحیح و خوشی خوشی ”بچل ماذل اسکول“ جانے کے لئے تیار ہوا آج انگلش کا پرچھ تھا، پنکو اپنی کلاس میں جا کے بیٹھ گیا ۔

جونی پرچھ شروع ہونے کی گھنٹی بیجی ۔ انگلش کے سر میڈی (بھالو) نے پرچھ اور کاپیاں تفصیل کیں، پنکو نے پچکے سے اپنے موزے میں سے ایک چھوٹا سا پرچھ نکالا اور کاپی کے نیچے چھپا کر نقل کرنا شروع کر دی ۔ میڈی سر بھی جی ان تھے کہ پنکو بڑی خاموشی سے پرچھ حل کر رہا ہے کیونکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ پنکو کو پڑھائی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے ۔



جب سر راؤنڈ لیتے پنکو لکھنا روک دیتا۔ سر کے جاتے ہی پھر شروع کر دیتا، اسی طرح چھوٹے چھوٹے پرچھ سے پنکو نے بڑی چالاکی کے ساتھ نقل کر کے پرچھ حل کیا ۔ وہ چھوٹے پرچھ دوبارہ موزوں میں چھپا کر ثانی ختم ہونے کے بعد پرچھ سر کو دے کر گھر آگیا۔

اسی طرح بہت مزے سے سارے پرچھ دیتا رہا اور امتحان ختم ہو گئے ۔

پنکو کو پورا یقین تھا کہ وہ لازمی اول پوزیشن حاصل کرے گا پھر وہ اپنی سالگردہ پر شہد لگا بداموں کا ٹیک خوب مزے لے لے کر کھائے گا اور بچل میں اپنی خوب صورت سی ٹرائی سائکل لے کر گھوسمے گا تو اس کے سب دوست بہت متاثر ہو گئے ۔

بالآخر طویل انتظار کے بعد نتیجے کا دن آگیا ۔ پنکو خوب تیار ہو کر ای، ابو کے ساتھ رزلٹ لینے گیا،

جب دوسری جماعت کا نتیجہ سانے کی باری آئی تو پنکو کا خنا سا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا ۔ پرنسپل سر ایلی (بھائی) نے پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن لینے والے بچوں کے نام پاکرے مگر یہ کیا ہوا؟

ان میں پنکو کا نام تو تھا ہی نہیں ۔ اسے تو بہت رونا آیا ۔ تھوڑی دیر تمام بچوں کو ان کی جماعت میں رزلٹ کا رکذ دیئے گئے ۔ جب پنکو کو رپورٹ کا رکذ ملی تو اس میں بڑا بڑا لکھا تھا، ”فیل“ ۔

کر لائیں۔ گھنی ہو جائیں گیں۔



آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں کا حل

آنکھوں کے گرد اگر سیاہ حلقة ہیں تو ان پر آلو کی قٹلی یا کھیرا بھی رکھیں تو کافی سکون ملتا ہے اور حکاٹ دو ہوتی ہے آپ آلو کش کر کے اسے گول سانچے میں فریز کر کے بھی آنکھوں پر رکھ لکھتے ہیں اسکے علاوہ اگر آپ کو ارجمند کی تقریب میں جانا ہے اور میک اپ ان آئی سرکلن کو چھپانے میں ناکام ہو رہا ہے تو گھراییے نہیں بلکہ دو اسٹین کے پیچے تھوڑی دیر کے لیے فریز میں رکھ دیں اور لفٹے سے زرا دیر پہلے انھیں آنکھوں پر رکھ کر کولائی کی شکل میں بالا سما مساج کریں یہ دب جائیں گے اور میک اپ میں نمایاں بھی نہیں ہوں گے۔

برہتھے ہوئے وزن سے پریشانی

اگر آپ بڑھتے ہوئے وزن سے پریشان ہیں تو اسکا ایک آسان ساحل بھی موجود ہے دو سو پچاس گرام شبد لیں ایک سو اسی ملی لیٹر سفید سرکہا اور دوسو پچاس گرام باریک کٹا ہبھن کے ساتھ اچھی طرح مکس کر کے کسی ایکر نائیٹ یوتل میں بھر کر فرق میں رکھ دیں اور روز نہار منہ ناشستے سے پہلے دو تاچے استعمال کریں۔

پیروں کی صفائی اور خوبصورتی کے لیے

ایک سفید شامگ چیل کر ابال لین اور پھر کپل کر پانی میں ملا دیں اور شیپور اور تھوڑی بدلی شامل کر کے کچھ دیر پیروں کو نیم گرم پانی میں ڈبو کر رکھیں اسکے بعد پیڑی کیور کٹ اگر ہوتا ورنہ کسی زم برش کی مدد سے اگلیوں اور ناخنوں کی اچھی طرح صفائی کریں اور خشک کر لیں یہ عمل روز کریں آپ پانی میں اور ک کا پانی بھی ڈال سکتی ہیں اسکے علاوہ دودھ میں بلندی ملا کر اس سے بھی پاؤں اور ہاتھوں کا مساج کر سکتی ہیں۔

آپ ایک چچے سو ف ایک کپ پانی میں ابال کر اور اس میں عرق گلاب ملا کر اپرے بوتل میں بھر لیں اور اس سے چہرے پر دو سے تین دفعہ دن میں اپرے کریں تو اسکن پر بہت اچھا رزلٹ آئے گا جلد جتنی صاف رہے گی اتنی ہی یکنی اور کیل مہاسوں سے محفوظ رہیں۔

جلد کی حفاظت اور گھریلو نصیحت

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق

جلد کی تازگی

دھوپ کی اثرداں کل شعاعیں جلد کو بہت نقصان پہنچاتی ہیں خاص طور پر گرمیوں کے طویل موسم میں یہ اکثر خواتین کے لیے پریشان کن نتیجت ہوتی ہیں اور جلد کی تازگی ختم کر کے اسے جلد بڑھا کر دیتی ہیں یہ تو ممکن ہی نہیں کہ آپ گھر سے باہر ہی نہ لکھیں پر جب بھی لکھیں سن بلاک ضرور لائیں یا میک اپ میں ایسی پر ڈکٹ استعمال کریں جن میں اسی پی ایف ہو کوشش کریں کہ لمبی آستینوں والے کپرے پہنچنی پہنچانی کو دوپٹے یا اسکارف سے کور کریں چہل قدمی صح کے وقت کریں تاکہ آپ ان نقصانہ شعاعوں سے کسی حد تک محفوظ رہ سکیں اگر آپ اپنی جلد پر عمر کے بڑھتے اثرات سے پریشان ہیں جو ایسٹرو جمن اور دوسرے مختلف عوامل کی وجہ سے وجود میں آئے ہیں۔

کیل مہاسوں سے نجات

کیل مہاسوں سے نجات کے لیے چہرے پر منٹ، سرکار کے سفیدے کے پتے گرم پانی میں ڈال کر اسٹینم لیں جبکہ یکنی کے لیے دو پودیے کے پتے دو عدد سفیدے کے اور دو عدد نیم کے پتے لے کر پیش بنائیں اور یکنی کی جگہ اپلائی کریں پینٹا لیس منٹ کے بعد چہرہ صاف پانی سے دھو لیں یہ نجت ختنے میں دو دن استعمال کرنا ہے متیز آپ کے سامنے ہو گا۔

ایکنی یا اسکن ڈبل ٹون کا حل

جن خواتین کو یکنی یا سانو لے رنگ کا مسدہ ہو یا اسکن ڈبل ٹون ہو جائے ان کو جیلیٹے کہ وہ ایلوارا کا جیل ٹھال کرسات سے دس قطرے اور یوں آنکل کے منک کر کے پیش بنائیں اور روز یہ کریں پیش رات کو لگا کے سوئیں پندرہ سے بیس دن میں اسکن بالکل صاف ہو جائے گی۔

جلد کا رنگ

نین میں یہوں کے چند قطرے ڈال کر پیش بنائیں اور پھر اس سے سوپ کی جگہ روز مہ دھوئیں اس سے یکنی میں بھی کی ہو گی اور جلد ک رنگ بھی خراب نہیں ہو گا بلکہ پہلے سے زیادہ صاف ہو جائے گا۔



تو آپ اگلی مناسب دیکھ بھال اور حفاظت گھر بیٹھے مختلف دیسی نسخوں سے بھی کر سکتیں ہیں یوں کے تو سبزیوں کا استعمال زیادہ سے زیادہ رکھیں ڈبیوں کی بند خوارک سے پہنچیں کریں جزوی بیویوں کا استعمال رکھیں تیز مصالحے اور تلی ہوئی چیزوں کا استعمال کم کریں تازہ جوس کا استعمال کریں سردیوں میں گرین ٹی یا چودہ چائے کا استعمال لیکن کثافت سے بھی نہیں بہتر ہے بنیر، چمچلی، الی کے بیچ، نماز، کافی اور زیتون کے تیل کا استعمال بھی جلد پر خودار ہونے والے اثرات کو کافی حد تک کم کرتا ہے دودھ، انڈہ، دہی، پاک، گاجر پیشے، عرق گلاب، گیندے کے چھوپ کا عرق کا استعمال بھی جلد کے لیے موثر ثابت ہو سکتا ہے اور ان اثرات کو کافی حد تک کم کر دیتا ہے بلکہ جلد کو لکھارتا اور خوبصورت بھی بنتا ہے پانی کا استعمال بیشہ زیادہ رکھیں کم سے کم دن میں سولہ گلاس پانی ضرور پیشیں گرمیوں میں آپ تین سے چار خوبی، چند پتے پودیے، آدھا پانی جگ ٹھنڈا جوس بنائیں پھیلیں تو اس سے گری کی شدت میں کافی کمی آجائی ہے اور جلد کو تباہی اور تازگی ملی ہے اسکے علاوہ اگر

آئی برو اور لیشن گھنی کریں

جن بہنوں کی آئی برو یا بھنوؤیں اور لیشن یا پلکیں بلکی ہیں وہ روز رات کو کشر آنکل میں زینیں کا تیل ملا

توانا بال آپ بھی بنائیں

بال حسن کی علامت ہیں۔ اگر ان میں گرنے جھڑنے یا سفید ہونے یا خنکھی کا عمل شروع ہو جائے یا دوشاخہ نیز ایسی کی پروبلز ہیں جو بالوں کے ساتھ ہو جاتی ہیں۔ تو کوشش کریں کہ ان پر زیادہ سے زیادہ توجہ دیں۔ اپنے شیپو اور تیل ہر دو ماہ بعد اپنے بالوں اور جلد کے مطابق تبدیل کریں۔ ہمیز فال زیادہ ہو تو شیپو کا استعمال نہ کریں بہت سی جزوی یویناں اسکا نعم ابدل بھی ہو سکتیں ہیں۔ جیسے الہ ریخشا سیکا کا ہی۔ بال جھڑ کا استعمال کر سکتے ہیں۔ نہار منہ شہد کا استعمال کریں چھپل کا استعمال زیادہ سے زیادہ رکھیں۔ اسکے علاوہ آپ تیل میں اندٹے میں شہد اور یمن جوس ملا کر بھی بالوں میں بختے میں ایک دن لگا کر سماج کریں اور تین سے چار گھنٹوں کے بعد سر کو اچھی طرح دھولیں تو اس سے بھی کافی فرق پڑے گا اگر بال تیزی سے گرہے ہیں تو رات کو کچھ بیٹھی کے دلنے پانی میں بھگو کر رکھ دیں۔ اور صبح سر میں تین سے چار گھنٹے لگا کر سر کو کور کر دیں۔ پھر سر کو دھو کر جزوں میں ہلاکا سا آکل لگالیں۔ یا نیم گرم پانی میں یمن ملا کر ہلاکا سماج کر لیں۔ بال گرنا رک جائیں گے اور چکدار بھی ہوں گے۔ اگر یہی عمل بکری کے دودھ کے ساتھ دہرایا جائے تو ایک سے ڈیڑھ ماہ میں ہی نتائج سامنے آجائیں گے اور بال پہلے سے اچھا اور گھنٹا لئکے گا یہ عمل بختے میں دو دفعہ لازمی کرتا ہے۔



سوچے ہوئے پاؤں

اگر آپ کے پاؤں بیٹھے بیٹھے سوچ جاتے ہیں۔ تو روزانہ رات کو ایک پلاسٹک کے شب میں پانی کے اندر ایک چمچ رینوں کا تیل ملا کر کچھ وقت کے لیے پاؤں پانی میں ڈبو کر رکھیں۔ جلد ہی تکمیل میں آرام ہو گا۔

————— § § § —————

Shangrila

شنگریلا بہاں پے!
www.shangrila.com.pk

شنگریلا اچار

چٹخاروں کی بھرماں

تازہ قندق اجزاء، معیاری مصالحوں اور صحت بخش ویجیبل آئل سے تیار شنگریلا اچار بیوتی چٹخاروں کی ایسی بھرماں بفریخت پیٹا اور مزیدار۔



Nestle
NIDO
FORTIFIED



Nido Fortified now in new packaging which preserve your milk for longer period, its full with calcium, iron, protein, vitamins and minerals which makes your children strong and healthy. Complete and proper nourishment for them to win a star.

ستار تو بناؤ جو!

New Pack



مکمل دشون نما جو نظر آئے

C + P + I + V + M =
CALCIUM PROTEIN IRON VITAMIN MINERALS

Nestle Nido
Newspaper Ad

a

Kolson Pasta Recipe Range
Har Din Banao, Aik Naya Pasta



1983ء میں ایسے پو گرام کو وائرس کا نام دیا گیا۔ 1985ء میں وائرس سے ملے جلتے پو گرام سامنے آئے جس کے نتیجے میں وائرس پو گرام کو ترقی ملی 1986ء میں بین وائرس (Brain Virus) سامنے آیا جو ایک سال کے اندر اندر ساری دنیا میں پھیل گیا۔ 1988ء میں ایک وائرس کا پتہ لگا جس نے پوری یونائیٹڈ اسٹیٹ میں تہلکہ چا دیا اور اسی طرح 1990ء کی دہائی میں اور اسکے بعد تک وائرسز کی اقسام بہت ہی پیچھیہ ہو گئی۔

§§§

وائرس کا اثر انداز ہوتا

وائرس کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں؟ جیسا کہ اپہ بیان کیا گیا ہے کہ وائرس ایک کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر میں منتقل ہوتے ہیں اور جب وہ اپنا کام شروع کر دیں تو پھر وہ کسی بھی فلیش ڈسک یا ہارڈ ڈیسک پر ایک کمپیوٹر سمیں کا حصہ ہے ان میں منتقل ہو جاتا ہے۔



اور اس طرح سارے نیٹ ورک اور دوسرے کمپیوٹر میں خرابیاں پیدا کرنے لگ جاتا ہے ایسے وائرس عام طور پر Professional Main Frame Systems کی نسبت Personal Computers میں زیادہ پاکے جاتے ہیں کیونکہ ان پو گرامز کو ہی زیز یا فلیش ڈسک کے ذریعے پھیلایا جاتا ہے۔ جو Personal Computers کمپیوٹر استعمال کرنے والوں کے کام آتی ہے۔ وائرسز صرف اس وقت عمل پریز ہوتے ہیں جب ان کے پو گرام کو استعمال کیا جائے لہذا اگر کوئی کمپیوٹر کی انفلکشن نیٹ ورک سے مشکل ہے ضروری نہیں کہ اس کمپیوٹر خرابی پھیلا ہو تاہم ایسے وائرس پو گرام میں جو کمپیوٹر یوزر کو خالی دے کر اپنا پو گرام استعمال کرواتے ہیں۔ اس کے بر عکس بعض ایسے وائرس ہیں جو کسی ایچے پو گرام کے ساتھ ایچ ہو جاتے ہیں لہذا جب ان پو گرام کو چلایا جاتا ہے تو وائرس بھی ایکٹو ہو جاتے ہیں۔

وائرس کی تاریخ

1949ء میں ہنگری کا ایک باشندہ جو امریکہ میں قیام پزیر ہو چکا تھا یعنی (John Von Neumann) نے یورپی کی ایک انسٹی ٹیوٹ میں یہ ارادہ کیا کہ اس بات کا پتہ لگایا جائے کہ کیا کمپیوٹر پو گرام ایک کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر میں خود بخود منتقل ہو سکتے ہیں یا نہیں لہذا 1950ء کی دہائی میں ایک ایسی کھیل بنائی گئی جس کے نتیجے میں اس کھیل کو کھینے والے چھوٹے چھوٹے کمپیوٹر پو گرام باتے تھے جو اپنے حریف کے سمی پر حملہ آؤ ہوتے تھے اور اسکے پو گرام کو مٹانے کی کوشش کرتے تھے۔

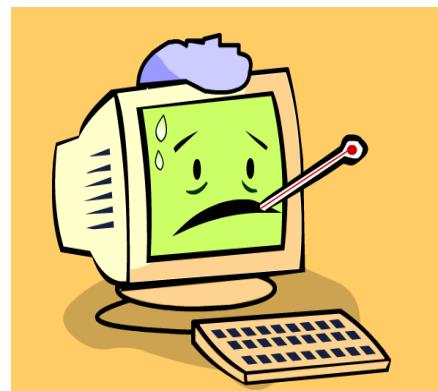
کمپیوٹر وائرس

مصنف: یوسف اقبال

کمپیوٹر وائرس (Computer Virus) اپنا پو گرام ہے جو اپنے آپ کو ایک Computer سے دوسرے کمپیوٹر میں داخل کرتا ہے اور جس میں بھی وہ داخل ہوتا ہے اس کے ہارڈ ڈیسک یا سوفٹ ڈیسک میں چھپتے چھلا کرتا ہے۔

وائرس کا کام

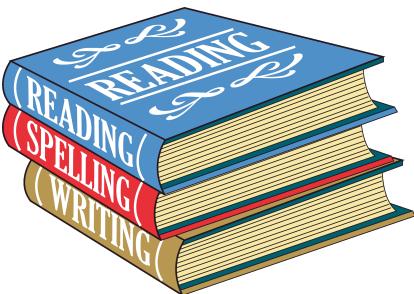
وائرس کو اس طریقہ سے ڈیڑائیں کیا جاتا ہے کہ وہ ایک کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر میں منتقل ہوتے وقت یوزر کے علم سے نجی چائیں اور پتہ بھی نہ لگے کہ وائرس داخل ہو چکا ہے۔ جب وائرس کمپیوٹر میں داخل ہو جائے تو وہ کمپیوٹر کو اپنے کمزول میں لے لیتا ہے وائرس کی ان بدیات کو جو کسی سمی کو خراب کرنے کا باعث نہیں ہے (Payload) کہا جاتا ہے تاہم (پے لوڑ) کسی بھی فال یا پیغام کو خراب کر دیتا ہے یا پھر اس کو بدل دیتا ہے۔ لہذا کمپیوٹر کا نظام خراب ہو جاتا ہے۔



اور بھی ایسے پو گرام میں جو کمپیوٹر پو گرام کے لئے نقصان دہ ہے لیکن ان میں یکساں طور پر یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتیں کہ وہ خود بخود ایک کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر میں منتقل ہو جائیں اور پھر ان کا کھوچ بھی نہ لگایا جاسکے۔ لیکن پھر بھی ایسے پو گرامز وائرس سے مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ کسی کھیل کی صورت میں آسکتے ہیں اور پھر اپنا کام دکھاتے ہیں ان میں سے بعض پو گرامز ایسے ہیں جو اس وقت تک عمل پریز نہیں ہوتے جب تک وہ ایک خاص تاریخ یا وقت کو نہ پائیں اور پھر کسی مخصوص حرفا کو یوزر نائپ نہ کرے ایسی بھی نقصان دہ پو گرام سامنے آتے ہیں جو اپنے آپ کو کاپنی کرتے رہتے ہیں بیہاں تک کہ ان کا جنم کمپیوٹر کی میموری پر حاوی ہو جاتا ہے اور اس طرح کمپیوٹر کا کام سست پر جاتا ہے۔

یک چھوٹی سی USB میں سوچ پکا ہے۔ ایسے میں انگریز کو سب کے لیے قابل قبول بنانے کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی، اردو کا حل تو ”رمون اردو“ کی شکل میں بہت پہلے تکل آتا تھا، اب انگریز کی مشکل بھی حل ہو گئی ہے۔

اب جو جنتی غلط انگریزی لکھتا ہے اُتنا ہی عالم فاصل خیال کیا جاتا ہے، اگر آپ کو کسی دوست کی طرف سے مجع آئے اور اُس That کی بجائے Dat لکھا ہو تو یہ بودہ ساقیہ لگانے کی میں بھجائے ایک لمحے میں سمجھ جائیں کہ آپ کا دوست ایک نین اور نینا دار شخص ہے جو جدید انگریزی کے تمام تر الوانات سے اوقaf ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ شاید انگریزی میں اردو اور پنجابی کا ذمکا ہمارے ہاں لگایا جاتا ہے لیکن میر اخیال غلط ثابت ہوا، معمودیہ میں مقیم میرا بھاجنا بتا رہا تھا کہ یہاں کے عربی بھی انگریزی کا شوق پورا کر رہے ہوں تو چہاں جہاں انگریزی اُنکھیں دھکتی ہے وہاں یہ عربی کا لفظ ڈال لیتے ہیں، مثلاً اگر انگریزی میں کہنا ہو کہ یہ میرا گھر ہے تو ہبے آرام سے کہہ جاتے ہیں ”ھذا بائی ہوم“۔



انگریزی اتنی آسان ہو گئی ہے لیکن بڑے دکھ کے ساتھ بتانا پڑتا ہے کہ یہ آسان انگریزی صرف ہماری عام زندگیوں میں ہی مقابل قول ہے، انگریزی کا مضمون پاس کرنے کے لیے تاحال اسی جناتی انگریزی کی ضرورت ہے جو خود انگریزوں کو بھی نہیں فرمائے۔

اگریزی میں بھی ایسی مشکلات آن پڑی ہیں کہ کتنی دفعہ جملہ سمجھنے کے لیے استخارہ کرتا پڑتا ہے۔ ابھی کل مجھے ایک دوست کا تجھ آیا، لکھا تھا ”U r inv in bk crmy“ میں نے جیرت سے مجھ کو پڑھا، اللہ جانتا ہے تین چار دفعہ مجھے شک گذرا کہ اُس نے مجھے کوئی گندی سی گالی لکھی ہے، دل مطمئن نہ ہوا تو ایسی ہی انٹلش لکھنے اور سمجھنے کے ماہر ایک اور دوست سے رابطہ کیا، اُس مرد مجہد نے ایک سینئنڈ میں ٹرانسلیشن کر دی کہ You are invited in book's ceremony

انگریزی سے بنتے کا ایک اور اچھا طریقہ میرے ہمسایے شاکر صاحب نے تکلا ہے، جہاں جہاں انہیں انگریزی نہیں آئی وہاں وہ اطمینان سے اردو ڈال لیتے ہیں۔ مثلاً اگر کھانا کھاتے ہوئے انہیں کسی کا مجع آجائے تو جواب میں لکھ بھیجیں ہیں ”پلیز اس تمام نات ڈسٹریب، آئی ایم کھانا کھائیںگ۔“ ایک دفعہ موصوف کو فیں بک پر ایک لڑکی پندا آگئی، فوراً لکھا ”آئی وانٹ ٹو شادی ود یو۔۔۔ آر یو راضی؟“ لڑکی کا جواب آیا ہاں آئی ایم راضی، بٹ پلے ٹرائی ٹو راضی میرا بیو تے بے بے ”آج کل یہ دونوں میاں بیوی ہیں اور کاشٹ ای انگریزی میں ٹرائی جھگڑا کرتے ہیں، تاہم اب وہ درمیان میں اردو کی بجائے پنجابی بولتے ہیں اور ایک جملہ بار بار درستہ تر ہیں ”آئی سیٹ کھصمان نوں کھا، یور سارا خاندان از چول۔۔۔“

اگریزی کے بدلتے ہوئے رنگ صرف یہیں تک محدود نہیں، اب تو کوئی صحیح انگلش میں جملہ لکھ جائے تو اس کی ذہنی حالت پر تھک ہونے لگتا ہے، ماڈرن ہونے کے لیے اگریزی کا بیڑا غرق کرنا بہت ضروری ہو گیا ہے، میں تو کہتا ہوں اگریزی کی صرف ٹانگ ہی نہیں، دانت بھی توڑ دینے چاہئیں، اس بدجھت نے ساری زندگی ہمیں خون کے آنسو رُلایا ہے۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق اب اگریزی لکھنے کے لیے گرامر اور Tenses بھی غیر ضروری ہو گئے ہیں۔ یعنی اگر کسی کو کہنا ہو کہ "میں تمہارا منتظر ہوں، تم کب تک آؤ گے؟" تو بڑی آسانی سے اسے چلکیوں میں یوں لکھا جاسکتا ہے wtg !!!---?u cm whn



دنیا مختصر سے مختصر ہوتی چاری ہے، کمپوئٹر ڈیکٹ ناپ سے لیپ
ناپ اور اب آئی پیڈ میں سما پکھے ہیں، موٹے موٹے ٹی وی اب
سماڑت ایل سی ڈی کی شکل میں آگئے ہیں، فنڈو اے سی کی جگہ
سپلٹ اے سی نے لے لی ہے، ایٹرنیٹ

نگاش و نگاش

مصنف: یوسف اقبال

مجھے بچپن سے ہی انگریزی میں فیل ہونے کا شوق تھا لہذا میں نے ہر کلاس میں اپنے شوق کا خاص خیال رکھا۔ ویسے تو مجھے انگریزی کوئی خاص مشکل زبان نہیں لگتی تھی، اس ذرا سی پہلے، گرامر اور Tenses نہیں آتے تھے۔ مجھے یاد ہے جو ٹیچر ہمیں کلاس میں انگریزی پڑھایا کرتے تھے وہ بھی کاشتے انگریز ہی تھے، دو سال تک ”ی-ے- یو-ے- پی-ے- سب“ پڑھاتے رہے، میں کو ”مجھن“ اور نالج کو ”کیانج“ کہتے رہے۔ ایسی تعلیم کے بعد میرا انگریزی میں اور بھی کھار آگیا، مجھے یاد ہے میرک کے داخلہ فارم میں جب ایک کالم میں ”Sex“ لکھا ہوا تھا تو میں کافی دیر تک شہرتے ہوئے سوچتا رہا کہ ایک لائن میں اتنی بھی ”تفصیل“ کیسے لکھوں؟ ۱۹۹۹ء فارم کے پہلے کالم میں اپنا نام انگریزی میں لکھتا تھا لیکن انگریزی سے ناہد ہونے کی وجہ سے مجھے یہ نام لکھنے کے لیے اسلام آباد کا سفر کرنا پڑا کیونکہ فارم پر لکھا ہوا تھا۔

اگر یہ فلمیں دیکھتے ہوئے بھی مجھے کہانی تو کچھ آجائی تھی، سٹوری پلے نہیں پڑتی تھی۔ سک ملین ڈار میں، نائٹ رانڈر، چپس، ایکر وولف اور کوچک جسی مشہور زمانہ فلمیں میں نے صرف اور صرف اپنی ذہانت سے سمجھیں اور انجوائے کیں۔



آج سے کچھ سال پہلے تک مجھے یقین ہو چکا تھا کہ میں فارسی، عربی، پشتو اور اشادروں کی زبان تو سیکھ سکتا ہوں لیکن انگریزی نہیں، لیکن اب جو حالات چل رہے ہیں ان کو مد نظر رکھ کر میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یا تو مجھے انگریزی آگئی ہے، یا سب کو بھول گئی ہے۔ کچھ بھی ہو، میری خوشی کی انتبا نہیں، اب سارے سینیگ بدل گئے ہیں اور دو تین لفظوں میں سما گئے ہیں۔ اب Coming لکھتا ہو تو صرف emg سے کام چل جاتا ہے۔ گرل فریڈ GF ہو گئی ہے اور فیس بک FB بن گئی ہے۔ اب کوئی انگریزی کا لمبا لفظ لکھتا ہو تو اس سے پہلے کے چند الفاظ لکھ کر ہی ساری بات کہی جاسکتی ہے، میں نے سارے ہی تین سال کی ”بیوشن پاشرفت“ کے بعد unfortunately کے unfortunate یاد کیے تھے، آج کل صرف Unfort سے کام چل سینیگ یاد کیے تھے جاتا ہے لیکن جہاں سے مشکل سینیگ شروع ویں پر ختم ہاتھ پہاڑ تک رہتی تو جھک تھا لیکن اب تو اس غصہ

انوکھی سزا

مصنف: سفیان خان

مسلسل قہ شروع ہو گئیں، جیسے ہی قہ رکی، حسن کو گلے میں کچھ سکون محسوس ہو، اسے محسوس ہورہا تھا کہ اب اسکے لگے میں کوئی چیز نہیں ہے، اب اسے درد بہت کم محسوس ہورہا تھا۔ حسن کے ابواب اس قہ کو دیکھ رہے تھے کہ آخر کیا چیز حسن کے لگے میں پھانس بن کر اسے تکلیف دے رہی تھی۔

اچانک حسن کے ابو کو کسی کالی ہی چیز کے گلوے نظر آئے، غور سے دیکھنے پر پتا چلا کہ یہ چیزوں کا پچھلا حصہ ہے اور یہی چیزوں ناہیں حسن کے لگے میں پھنس گیا تھا، اسی کے کامنے کی وجہ سے حسن کی حالت غیر ہو گئی تھی، چیزوں دیکھ کر اب سب کو یہ بات سمجھ آگئی تھی کہ جب حسن نے جلدی سے کیک کر کر منہ میں ڈالا تھا، تو اس وقت وہ چیزوں ناہیں کیک پر بیٹھا تھا، وہ بھی کیک کے ساتھ حسن کے منہ میں چلا گیا، لیکن پیٹ میں جانے کی بجائے حلقوں میں پھنس کر رہ گیا، اور باہر لکھ کی مسلسل کوشش کرنے کی وجہ سے حسن کو یہ سب کچھ جھینانا پڑا۔ حسن کو اس کے کیے کی سزا مل پھی تھی۔ وہ سب گھر والوں کے سامنے نام کھڑا تھا۔ حسن کے ابوئے حسن کو لگے سے لگا لیا اور معاف کر دیا۔ اور وعدہ لیا کہ آئندہ حسن کبھی ایسی حرکت نہیں کرے گا۔

اگلے دن جب حسن کی حالت کچھ سنبھل گئی تو حسن کی ایسے حسن کو پائی رہے دیے اور کہا کہ جاؤ پیٹا یہ پیسے دوکاندار کو دے اکو۔ یہ اس کیک کے پیسے ہیں جو تم نے کل کھایا تھا، حسن اسی دوکان پر چلا گیا اور دوکاندار سے کہا کہ مفتررت انکل، کل آپکی دوکان سے میں نے غلطی سے کیک کھایا تھا اور پھر حسن نے جیب سے پیسے نکالے اور دوکاندار کی طرف پڑھا دیئے۔ دوکاندار کی حسن کی اس ایمانداری کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور سامنے پڑے ہوئے اسی کل والے کیک کی طرح ایک اور کیک نکال کر حسن کی طرف پڑھا دیا اور کہا۔ یہ کیک لے لو پیٹا، یہ میری طرف سے اس ایمانداری کا انعام سمجھ کر کھا لو، حسن نے میسے ہی کیک دیکھا سکی خود کے ساتھ پیٹا ماجرا یاد آگئی، اسے یوں محسوس ہوا جیسے اسکے لگے میں پھر سے کوئی چیز پھنس گئی ہو۔ حسن فوراً گھر کی طرف بھاگ رہا تھا اور سوچنے لگا کہ کتنا پیداوار نیک بچہ ہے، ایسا بچہ آگلے کہاں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اب اسے کیا معلوم کہ حسن کے ساتھ یہ کیک کھانے کی وجہ سے کیا بتتی۔ حسن نے گھر پہنچ کر اٹھینا کا سانس لیا اور دل میں تھیہ کر لیا کہ آئندہ وہ کبھی چوری نہیں کرے گا اور نہ ہی کبھی کیک کھانے گا۔ یوں حسن کی پہلی غلطی اس کی آخری غلطی بن گئی۔

§ § §

اچھی حسن نے اتنا ہی کہا تھا کہ اس کے لگے میں ایسا شدید درد ہوا جیسے اسکے لگے کو کسی نے تیز دھار آئے سے کاٹ دیا ہو، حسن وہیں زمین پر لوٹ پوت ہو گیا۔

حسن کی ایسی یہ دیکھ کر گھبرا گئیں کہ اچانک میرے بیٹھے کو کیا ہو گیا ہے؟ حسن کی ایسی نے جلدی سے حسن کو سیدھا کر کے بستر پر لایا اور پوچھا کہ کیا ہوا ہے پیٹا؟

حسن مسلسل چیزیں چلائے جا رہا تھا، اس کے لگے سے عجیب و غریب آوازیں نکل رہی تھیں، اسکے منہ سے بلکا ساخون بھی باہر نکل رہا تھا۔ اب حسن کو یقین ہو گیا تھا کہ اسکے لگے میں کوئی چیز موجود ہے جبکہ سب پٹا گئیں اور زور سے سب گھر والوں کو آوازیں دینے لگیں، حسن کے ابو، دادا، داوی، بین، بھائی سب دوڑے چلے آئے، اور حسن کی حالت دیکھ کر سب گھبرا گئے۔

حسن کے دادا نے جلدی سے پانی ملنگا یا اور حسن کو بہت سا پانی پالایا لیکن کچھ اتفاق نہ ہوا۔ حسن کا درد اور چیزیں میں بھی ہی رہیں، اس کی حالت غیر ہو رہی تھی، وہ دل ہی دل میں اس وقت کو کوس رہا تھا، جب اس نے چوری چھپے وہ کیک کھایا تھا۔

حسن کی دادی اماں نے ایک روٹی کا نکلا ملنگا یا اور حسن کے منہ میں ڈال دیا، حسن نے اس روٹی کے نکٹے کو باہر اگل دیا، اس سے کچھ نہیں کھایا جا رہا تھا۔ تب حسن کے ابونے بختی سے پوچھا کہ حسن بچھتا کیا کھایا تھا جس کی وجہ سے یہ حالت ہو رہی ہے، حسن نے جب یہ دیکھا کہ اب بتانے کے سوا کوئی چارہ نہیں، تو اس نے روتے ہوئے شرم مدد لجھ میں سب کو بتایا کہ اس نے دوکاندار کی نظریوں سے بچ کر ایک ایک کھایا تھا۔ اس کے لگے میں کوئی چیز پھنس گئی ہے۔



حسن کے ابو نے ایک بخشنده کا حکم دیا، حسن نے بہت انکار کیا، مگر اس کی ایک نہ چلی، مجبوراً اس نے وہ نکلا منہ میں رکھا اور اسے بھتے کی کوشش کرنے لگا، حسن کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا، وہ برے برے منہ بنا رہا تھا، اور دل میں اپنے آپ پر لعن طعن کر رہا تھا کہ کاش وہ کیک کھانے کی غلطی نہ کرتا۔

حسن مسلسل اس بخشنده کے نکٹے کو بھتے کی کوشش کر رہا تھا، کہ اچانک اسے زور دار ایک آئی اور

”حسن پیٹا، دوکان سے ایک کلو گھنین جلدی سے لے آؤ“ حسن کی ایسی نے حسن کو دیکھ کر بلند آواز سے کہا۔ حسن اس وقت کھیل کر گھر میں داخل ہو رہا تھا۔



”جی امی! اچھی جاتا ہوں“ حسن نے جواب دیا، اور گھر سے کچھ دیور موجود دوکان کی طرف چل پڑا، دوکان پر بیٹھ کر حسن نے ایک کلو گھنین کا آرڈر دیا۔

دوکاندار حسن کی بات سن کر مڑا اور دوکان کے اندر وہی حصے کی طرف چھین لینے کے لئے چلا گیا، اسی دوران حسن کی نگاہ دوکان میں سامنے ریلیگ پر رکھے ایک ڈبہ پر پڑی جو رنگ برلنگے کیکوں سے بھرا پڑا تھا، حسن اس وقت بھوکا تھا، اسکے دل میں نہ جانے کیا تھیل آیا اس نے دوکاندار کو اپنی طرف متوجہ نہ پا کر جلدی سے ایک کیک کھایا اور منہ میں ڈال کر بھتے کی کوشش کرنے لگا، اسی دوران دوکاندار واپس آگئا، اور حسن کو چینی دی، حسن نے چینی لے کر رقم ادا کی، اور گھر کی طرف چل پڑا۔

حسن دل ہی دل میں بہت خوش تھا کہ دوکاندار اسکی چوری کو نہیں دیکھ سکا، اور کیک مفت میں اس نے کھایا، کیک کا ذائقہ حسن کو بہت اچھا لگا، لیکن اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جب سے اس نے کیک کھایا ہے اسکے لگے میں کوئی چیز پھنس سی گئی ہے۔

حسن گھر پہنچا، ماں کو چینی تھامی اور ایک کمرے میں موجود آئینے کے سامنے جا کر کھرا ہو گیا، حسن نے اپنا منہ کھولا اور آئینے کی مد سے لگے میں جھاکنے لگا، کہ وہ کون کی چیز ہے جو اس کے لگے میں پھنس گئی ہے، اور اب تو درد بھی ہونے لگا تھا۔ حسن زور لگا کر پورا منہ کھونے کی ناکام کوشش کرتا رہا، مگر اسے کوئی چیز نظر نہیں آئی۔

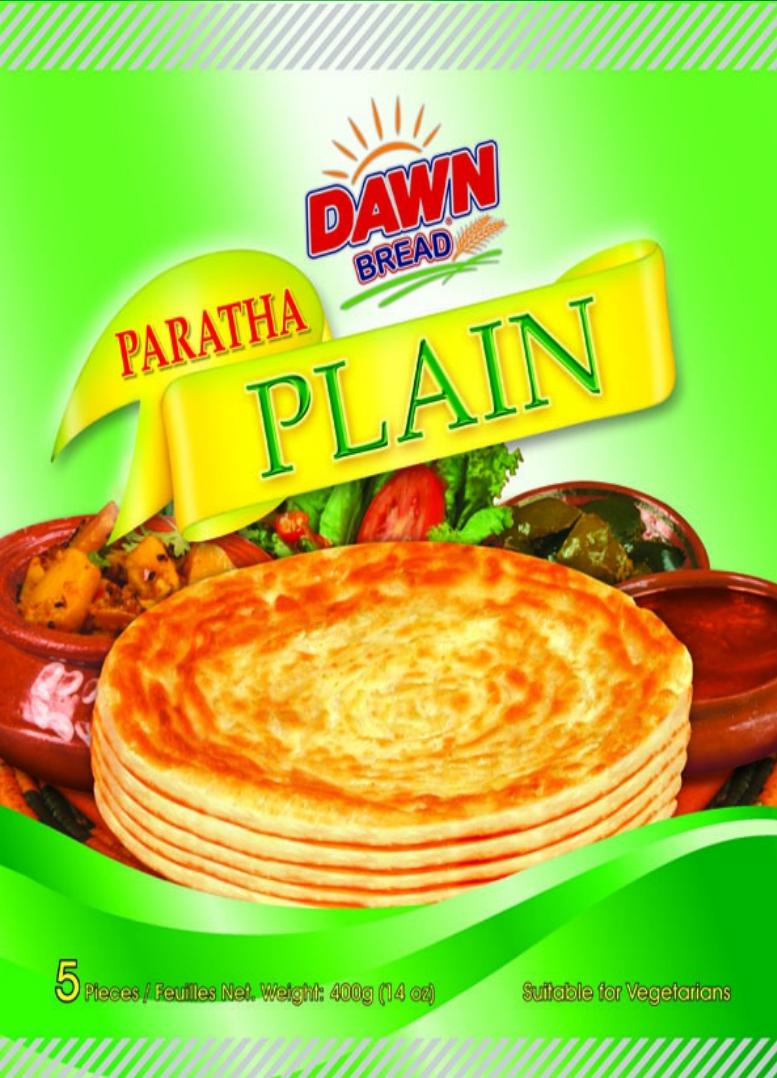
اچھی حسن آئینے کے سامنے کھڑے منہ کھولے دیکھتی ہی رہا تھا کہ اچانک حسن کی ایسی کمرے میں داخل ہو گئیں اور حسن کو یوں منہ کھولے آئینے کے سامنے کھرا دیکھ کر جiran ہو گئیں، اور پوچھا، حسن پیٹا اس طرح منہ کھولے آئینے کے سامنے کھڑے کیا دیکھ رہے ہو۔

حسن اپنی امی کو سامنے دیکھ کر گھبر آگئی، اور بولا، نہیں امی، بس ویسے ہی کھرا ہوں۔

ARIEL PAKISTAN'S BEST
STAIN REMOVAL IN **1 WASH***



*vs. leading detergent as tested on stains like Red fruit, chocolate drink, clean motor oil and cooking grease



بے چین

مصنف: یوسف اقبال

یفت کے روز تک اندر کا کام پورا ہو چکا۔ اب باہر کی دیواریں باقی تھیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ دیواروں میں نیچے ڈائیٹس لگایا جاتا تو ایک ساتھ پورا ملبہ نیچے آ گرتے۔ لیکن میکوٹن کے لیے یہ طریقہ ناقابل عمل تھا۔ اس کے لیے لائنس کی ضرورت تھی جو شالی آئرلینڈ میں مشکل کام تھا۔ اس کے علاوہ محلہ لیکس اور انشورنس والوں کو بھی اواجگی کرنا پڑتی۔ لہذا یہ سارا کام مزدوروں کے ہاتھوں ہو رہا تھا۔ خود کو خطرہ میں ڈالنے دیواریں ہاتھوں سے توڑ رہے تھے۔ کھانے کے وقت فوریں نے اونھر اونھر گوم کر کام کا جائزہ لیا اور پھر کہا کہ اس طرف کی دیوار کا بڑا حصہ پہلے توڑتا ہے۔ پھر وہ رام لعل کی طرف مڑا اور کہا ”میں چاہتا ہوں کہ تم اپر چڑھو اور جب دیوار گرنے لگے تو اسے باہر کی طرف دھکا دو۔“

بل کیروں جاتا تھا کہ رام لعل اونچائی سے ڈرتا ہے۔ رام لعل نے جواب دیا ”اس پوری دیوار میں دراز پڑی ہوئی ہے۔ جو بھی اپر گیا، وہ اس کے ساتھ ہی گرے گا۔“ بل کیروں کا پھر غصے سے سرخ ہو گیا، وہ چیخ کر بولا ”تم مجھے میرا کام مت سمجھو۔ کالے آدمی، جیسا تم سے کہا، وہی کرو۔“ رام لعل اخادر فوریں کے سامنے جا کر بولا۔ ”مشر کیروں! ایک بات صاف ہوئی چاہیے۔ میرا تعلق راجپوت قبائل سے ہے۔ گو اس وقت میرے پاس تعلیمی اخراجات کے لیے رقم کم ہے لیکن میرے آباء و اجداد میں دو ہزار سال قبل راجہ، مہاراجہ، شہزادے اور فوج کے پہ سالار گزرے ہیں۔

اس وقت تم لوگ بندروں کی طرح چاروں ہاتھ پر چلتے اور کپڑوں کی جگہ کھال پہنچتے تھے۔ براؤ ہمہ بانی آپ میری بے عرقی کرنا بند کر دیں۔ ہر انسان کی اپنی عزت ہوتی ہے جس کی حفاظت اس کا فرض ہے۔“ رام لعل کی یہ منظر تقریر سب لوگوں نے دم بخود سنی۔ بل کیروں کا غصہ انہا کو پہنچ گیا۔ اس نے چیخ کر گالی دی اور کہا ”مچھا تو تم واقعی عزت دار تھے۔“ ساتھ ہی اس نے رام لعل کے مند پر اتنے ہاتھ کا زور دار تھپڑ ریسید کیا۔ پھر اس نے رام لعل زمین سے لٹک کر کمی فٹ دور جا گرد برنس کی آواز آئی ”لڑکے زمین سے اخنا مت، ورنہ بگ بیلی تھیں جان سے ہی مار دے گا۔“ رام لعل نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو دیزداد بل کیروں مٹھیاں بند کئے اس کے اٹھنے کا منظر تھا۔

رام لعل کا اس سے کوئی مقابلہ نہ تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور خاموشی سے پڑا رہ دکھ اور بے عرقی کی تکلیف سے اس کی آنکھوں سے آنسو بنتے گے۔ بند آنکھوں سے رام نے خود کو وطن میں پیلا جہاں اس کے آباہ و اجداد گھوڑوں پر سوار، تلواروں اور نیزوں سے لیں آس پاس سے گزرتے اسے صرف ایک لفظ کہہ رہے تھے ”انقام، انقام۔ تھیس اپنی بے عرقی کا انقام لینا ہو گا۔“ رام لعل خاموشی سے اٹھا اور کام میں لگ گیا۔ سارا دن نہ وہ کسی سے بولا اور نہ کوئی بات کی۔ اس رات

اس شخص نے پھر جس کا نام برنس تھا، باقی لوگوں سے رام لعل کا تعارف کرایا۔ ایک شخص نے کہا ”تمہارے پاس کھانا نہیں ہے؟“ رام لعل نے کہا ”میں کل سے لاوں گا۔“ دوسرے شخص نے پوچھا ”کیا تم نے ایسا مشقتی کام پہلے کیا ہے؟“ رام نے نفی یہاں سر بلادی۔ اس شخص نے کہا ”تھیس مضبوط جوتے اور دستانے بھی خریدنے ہوں گے۔“ باقیوں باقیوں میں رام لعل نے بتایا کہ وہ طب کا طالب علم ہے اور اسے مجبوراً یہ کام کرنا پڑ رہا ہے تاکہ کچھ زائد آمدن حاصل کر سکے۔ ٹرک ڈپلڈ روڈ پر ایک پچھے راستے پر درختوں کے قریب رک رک گیا۔ وہاں کو مرکے کنارے شراب کی ایک پرانی نیکشی تھی جسے گریا جاتا تھا۔

عمارت کے مالک کی خواہش تھی کہ کم سے کم رقم خرچ ہو۔ لہذا اس نے کسی بڑی کمپنی کے بجائے ٹھیکنیار میکوٹن سے بات کی جو مناسب رقم میں بغیر مشینی کے عمارت گرانے کے لیے تیار ہو گیا۔ میکوٹن کے مزدوروں نے یہ کام بھاری ہاتھوں اور کداں کی مدد سے کرنا تھا۔ میکوٹن کو یہ بھی لائچ تھا کہ عمارت نوٹنے سے لفٹے والی لکڑی اور یکروں نہ ایٹھیں فروخت کر کے اضافی آدمی حاصل ہوئی۔ مزدور اور اخلاقی عمارت کے قریب پہنچ گئے۔ ان کے پاس بڑے ہاتھوں، لمبی چھینیاں اور رہے تھے۔

فوریں نے کہا ”چلو بھی کام شروع کرو۔ ہم سب سے پہلے چھت کی تالیکیں توڑیں گے۔“ رام لعل نے اندر چھت دیکھی جو کسی چار منزلہ عمارت کے برابر اونچی تھی۔ اسے اونچائی سے خوف آتا تھا۔ ایک آدمی نے پرانی لکڑی کا دروازہ توڑا اور آگ جلا کر چائے کا پانی رکھا۔ سب لوگوں نے تام چینی کے مگ نکالے اور چائے پینے لگے۔ رام لعل نے سوچا کہ کل وہ مگ بھی خرید لے گا۔ تاہم برنس نے اپنے گل میں رام لعل کو چائے دی۔ چھت پر کام شروع ہو گیا۔ تالیکیں اکھار کے نیچے پہنچی جانے لگیں۔ ۱۲ بجے کے بعد کھانے کا وقہہ ہوا اور سب لوگ نیچے آگئے چائے بنی اور رام لعل کے سوا سب مزدوروں نے کھانا لکھا ہے۔ اس نے اپنے ہاتھ دیکھے جو جگہ جگہ سے چھل گئے تھے اور سارا جنم دکھ رہا تھا۔

برنس نے رام لعل سے کہا ”لو تم بھی سینہوچ کھا لو، میرے پاس کافی ہیں۔“ بل کیروں سامنے میجا تھا، اس نے برنس سے کہا ”تم کیا کر رہے ہو۔ کالے کو اپنا کھانا خود لانے دو، تم صرف اپنی ٹکر رکھو۔“ برنس نے اپنی نظریں جھکایں گیا کہ کوئی بھی فوریں کے آگے نہیں بول سکتا تھا پورے بینے کام چلتا رہا۔ عمارت کی چھت، دیواریں، دروازے اور کھڑکیاں نیچے ملے کے ڈھیر پر گرتی رہیں۔ رام لعل کے لیے یہ سخت محنت کا کام تھا، ہاتھ زخمی ہو گئے لیکن رقم کی خاطر وہ محنت کرتا رہا۔ اس دوران فوریں بل کیروں جسے لوگ ”بگ بیلی“ بھی کہتے تھے، رام لعل کے پیچھے لگا رہا۔ مشکل کام اسے دیا جاتا اور وہ بے عرقی کرنے کا بھی کوئی موقع ضائع نہ کرتا۔

میکوٹن نے سامنے پہنچے امیدوار کی طرف غور سے دیکھا۔ یہ دیلا پتلا گندی رنگت کا آدمی کام کی علاش میں آیا تھا۔ میکوٹن نے اسے بتایا کہ یہ کام بہت مشقت والا اور عارضی ہے۔ تھیس نقد ادائیگی کی جائے گی۔ یہ پرانی عمارتیں گرانے کا کام ہے جس میں خطرہ بھی ہے لیکن یہیہ یا صحت کے علاج کے سلسلے یہیں مماری کوئی نہیں داری نہیں ہو گی۔

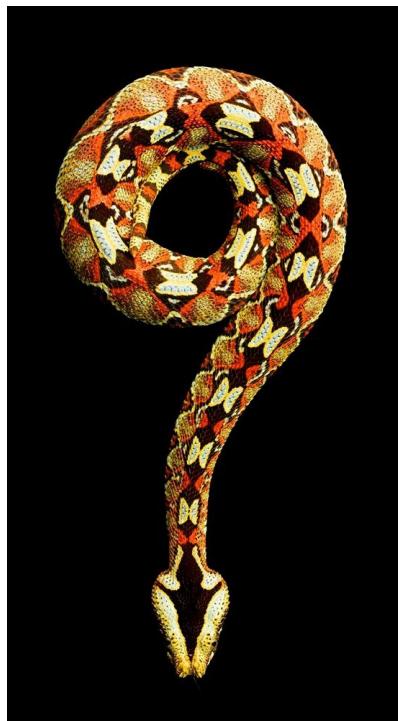
رام لعل نے اقرار میں سر ہلا دیا۔ اس کا تعلق بھارتی علاقے راجستان کے ایک غیر معمولی گھرانے سے تھا۔ وہ طب کی تعلیم پانے آئرلینڈ آیا تھا۔ اس کا آخری سال تھا، اپنی ضروریات پورا کرنے کی خاطر اسے مزید آمدن درکار تھی۔ اسی لیے وہ ٹھیکنیار کے دفتر عارضی ملازمت حاصل کرنے آیا تھا۔ موسم گما کی چھیوں میں کچھ آمدن حاصل ہوا۔ میکوٹن نے رام لعل سے کام پر جائے۔ اوقات صبح ۷ بجے سے شام کے بیچ میں۔ تمام مزدوروں کو ٹرک صبح ۶ بجے اٹیشن کے سامنے سے لیتا ہے۔

ان کا انچارج بل کیروں ہے، میں اسے بتا دوں گا۔ رام لعل دفتر سے باہر آیا اور ایک کمرا علاش کرنے لگا۔ کوشش کے بعد اسے اٹیشن کے قریب ایک کمرا مل گیا۔ اوقار کے روز وہ اپنے منظر سامان کے ساتھ اس کرے پیل میٹل ہو گیا۔ دوپہر کے وقت وہ بستر پر لیٹا اپنے گاؤں کی پہاڑیوں کی سیکھتوں اور سانوں کو یاد کرتا اور سوچتا رہا تھا کہ جلد اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ڈاکٹر بن کر گاؤں چلا جائے گا۔ کچھ کی صبح رام لعل جلدی اٹھا اور ۶ بجے کے قریب مقررہ مقام پر پہنچ گیا۔ کچھ دیر بعد ٹرک پہنچ گیا۔ اس وقت تک ۱۲ افراد جمع ہو چکے تھے۔ رام لعل کچھ دور ہٹ کر انداخت کرنے لگا۔

ٹھوڑی ہی دیر میں گروپ انچارج بھی پہنچ گیا۔ اس کے پاس مزدوروں کی فہرست تھی اور وہ سب کو جانتا تھا۔ رام لعل اس کے قریب پہنچا تو فوریں نے پوچھا ”کیا تم وہی کالے آدمی ہو جسے میکوٹن نے ملازم رکھا ہے۔“ اس نے کہا ”ہاں میں ہی ہری کشن رام لعل ہوں۔“ فوریں بل کیروں کا رو یہ اس کی شخصیت کا آئینہ دار تھا۔ اس کا قدر ۶ فٹ ۳ چھ اور جسم طاقتور تھا، ٹھکل سے بھی وہ ایک پہلوان معلوم ہوتا۔ غصہ اس کی ناک پر دھرا رہتا تھا۔ اس نے حقارت سے زمین پر تھوکا اور رام لعل سے کہا ”جاؤ ٹرک میں بیٹھو۔“ دورانی سفر ایک شخص نے پوچھا ”تم کہاں سے آئے ہو۔“ اس نے کہا ”بھارت کے علاقے راجستان سے۔“ آدمی نے پوچھا ”کیا تم عیسائی ہو؟“ رام لعل نے کہا ”میں ہندو ہوں۔“

چھوٹے سے سوراخ سے سانپ نکل کر اندر ہنی سلائی میں چپ گیا تھا۔ شام کو واپسی کے وقت فوری میں نے اپنی جیکٹ لادر کر اپنے برابر رکھ لی اور مقررہ مقام پر سب لوگ اتر کر اپنے گھر جانے لگے۔

رام لعل نے برنس سے پوچھا کہ کیا بل کیسروں کے بیوی بچے ہیں؟ اس نے اثبات یہی بواب دی۔ رام لعل اپنے کرے پہنچا اور دل سے دعا کرنے لگا کہ میں اپنی بے عزتی کا بدله بل کیسروں سے یعنی چاہتا تھا لیکن اس کے بیوی بچوں کو نقصان پہنچانا میرا مقصد ہرگز نہیں۔ اتوار کا دن بھی انہی سوچوں میں گزر گیا۔ پھر کی صبح بل کیسروں اور اس کے بیوی بچے صبح ۶ بجے کے قریب اٹھے اور نشانکرنے والوں بخانے میں بیج ہو گئے۔ بل کیسروں کام پڑ جانے کے لیے تیار ہوا۔ اس نے بیٹی سے کہا کہ ذرا میری جیکٹ تو لانا۔ وہ الماری سے نکال کر لائی۔ بل نے کہا: ”اسے دروازے کے پیچے نامگ دو۔ میں ابھی لیتا ہوں۔“ جب بیٹی نے جیکٹ ناگلی تو وہ پھسل کر باوری ہی خانے کے فرش پر گر پڑی۔ ملی نے غصے سے کہا ”تم سے کوئی کام ڈھنک سے نہیں ہوتا۔ جیکٹ اٹھا کر اچھی طرح ناگلو۔“ بابا، یہ آپ کی جیکٹ سے کیا چیز گری۔



”بگ ملی کی بیوی، بیٹی اور سب نے اس طرف دیکھا۔ ایک چھوٹا سا جاندار فرش پر پڑا چکلی آنکھوں سے سب کو دیکھ رہا تھا۔ باریک دو شاخ زبان ہر اتنی نظر آرہی تھی۔ بل کی بیوی بولی ”خدا ہمیں محفوظ رکھے یہ تو کوئی سانپ ہے۔“ بل کیسروں غصے سے بولا: ”پاگل نہ ہو، کیا تھیں معلوم نہیں کہ آئرلینڈ میں قدرتی طور پر کوئی سانپ نہیں پایا۔

اور جسم پتلا ہوتا ہے۔ زہریلے دانت شکار کی جلد پر سوئی جیسے دو سوراخ چھوٹتے ہیں۔ زہر اتنا تیر اثر ہوتا ہے کہ دو تین گھنٹوں میں موت واقع ہو جاتی ہے۔ موت کا سبب دماغ میں خون کا اخراج ہوتا ہے۔ رام لعل نے دکان کے مالک سے پوچھا کہ اس سانپ کی کیا قیمت لو گے؟ کچھ دیر بحث کے بعد سودا ۳۵۰ روپے میں ملے ہو گیا۔ رام لعل سانپ کو ایک ڈھنک والی بوتل میں بند کر کے گھر چلا آیا۔ لندن سفر کے لیے رام لعل نے ایک سگار بکس خریدا۔ اسے خالی کر کے اس میں پدرہ چھوٹے سوراخ کیے اور سانپ نرم پتوں کے ساتھ سگار بکس میں بند کر کے اسے اچھی طرح ٹیپ سے بند کر دیا۔ اس طرح لندن وابستہ اور نشانکرنے والوں بخانے میں بیج ہو گئے۔ بل کیسروں کام پڑا تھا۔

اس نے سگار بکس نکال کر دیکھا۔ سانپ بالکل صحیح حالت میں سیاہ چپک دار آنکھوں سے رام لعل کو گھوڑہ رہا۔ خدرام لعل نے شیشے کا ایک ڈھنک دار مرتبان خالی کیا تاکہ صبح استعمال کیا جائے۔ صبح جلدی الٹ کر اس نے انتہائی احتیاط سے سانپ کو سگار بکس سے مرتبان میں منتقل کیا۔ مضبوطی سے ڈھنک لگایا اور اسے اپنے لیچ بکس میں حفاظت سے رکھ دیا۔ مقررہ وقت وہ اسٹیشن پہنچا جہاں سے ٹرک سب مزدوروں کو لیے کام کی جگہ نکال تھا۔ بل کیسروں کی یہ عادت تھی کہ کام شروع کرنے سے پہلے وہ اپنی جیکٹ لادر کر کسی شاخ پر اتار دیتا تھا۔ کھانے کے وقت میں وہ جیکٹ کی جیب سے اپنا پانپ اور تمباکو کی تھیلی نکال کر پانپ ضرور پیتا۔ رام لعل کا ارادہ تھا کہ وہ موقع پا کر سانپ کو بل کیسروں کی جیکٹ کی جیب میں چھوڑ دے گا۔ پھر وہ جیکٹ کی جیب سے پانپ اور تمباکو نکالے گا۔ اس دوران سانپ بل کیسروں کو ڈس لے گا۔ بل کیسروں گھبرا کر ہاتھ جیب سے نکالے گا، تو سانپ اس کے ہاتھ سے لٹکا ہو گا کیونکہ اس کے دانت گوشت میں گڑے ہوں گے۔ منصوبے کے مطابق رام لعل کسی بھانے ۱۱ بجے کے قریب الٹا اپنا لیچ بکس کھول کر سانپ کا مرتبان نکالا، ڈھنک کھول کر بل کیسروں کی جیکٹ کی داہنی جیب میں الٹا اور فوراً وابس آکر کام میں لگ گیا۔ کھانے کے دوران سب لوگ دائرے میں بیٹھ کر سینہ ووجہ کھانے لگے۔ رام لعل کا دل کھانے میں نہیں لگ رہا تھا، وہ زبردست سب کے ساتھ بیٹھا۔ کبھی کبھی نظر اٹھا کر فوری میں کی جیکٹ کی طرف دیکھتا۔ آخوند بل کیسروں نے کھانا ختم کیا، انھی کر اپنی جیکٹ کی طرف گیا اور داہنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ چند سینٹ بعد اس نے پانپ اور تمباکو کی تھیلی نکالی، پانپ بھر کر جلا یا اور پینا شروع کر دیتا۔ رام لعل نے شکریہ ادا کیا اور وابس آگیا۔ اگلے روز اس نے اپنے سکھ دوست سے رقم اوہار میں کیا اور پروگریم ریل لندن پہنچ کر بھارت جانے کے لیے نکٹ خرید لیا۔ اس طرح ۲۲ گھنٹوں کے اندر وہ بیہنی پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر وہ ایک دکان پر پہنچا جہاں پالتو پر نہیں، سانپ اور دیگر جانور فروخت ہوتے تھے۔ اسے دراصل ایک چھوٹے زہریلے سانپ کی تلاش تھی۔

وکنار نے بتایا کہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ کل ہی میرے پاس ایک چھوٹا سانپ آیا ہے جو آر کھنہ اٹاگ (Saw Scaled) Viper (کھلاتا ہے۔ یہ سانپ مغربی افریقہ سے عرب، ایران، پاکستان اور بھارت کے خشک اور نم علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کی لمبائی ۱۵-۲۰ سینٹی میٹر تک، رنگ گہرا بھروسے جب وہ اپنے کمرے میں پہنچا تو باہر گرج چک ہو رہی تھی اور طوفانی بارش کے آئندہ تھے۔ وہ بستر لیٹ گیا اور کوئی ایسی تدبیر سوچنے لگی۔ اس کی نظر کھڑکی کے شیشے پر پڑی جہاں بارش شروع ہوئی۔ اچانک رام لعل کی نظر کو نیچے پر پڑی ڈریسک گاؤں کی ڈوری پر گئی جو ہوا سے نیچے گر گئی تھی۔ گری ڈوری ایسی لگتی تھی کہ پتلا سانپ کنڈیل مارے بیٹھا ہو۔ رام لعل سمجھ گیا کہ اسے کیا تدبیر اختیار کرنی چاہیے۔ اگلے روز رام لعل بذریعہ ریل بیلفاست گیا اور اپنے سکھ دوست سے ملا۔ رنجیت سنگھ بھی اس کی طرح طالب علم تھا لیکن اس کے والدین دولت مند تھے اور اسے ملابنہ اچھی رقم اخراجات کے لیے بھیجتے۔ رام لعل نے اس سے کہا کہ مجھے گھر سے اطلاع ملی ہے، میرے والد بستر مرگ پر ہیں۔ میں سب سے بڑا بیٹا ہوں۔ وہ مجھ سے ملتا چاہتے ہیں۔ مجھے والپیں ہندوستان جانا ہو گا۔ رنجیت سنگھ نے کہا کہ وہاں بھی روایت ہے کہ والد کے انتقال کے وقت بڑا بیٹا اس کے پاس ہو۔ رام لعل نے کہا، میرا مسئلہ ہوائی سفر کے نکٹ کا ہے۔ میں کام بھی کر رہا ہوں لیکن میرے پاس کافی پیسے نہیں۔ کیا تم مجھے کچھ رقم اور حادہ دے دو گے؟ میں زائد کام کر کے تمہاری رقم لوٹا دوں گا۔ سکھ نے کہا کہ کوئی بات نہیں، میں کل پیک سے رقم نکلاوا کر تھیں دے دوں گا۔ اس روز شام کو رام لعل اپنے ٹھکنیدار مشرک میکوٹن سے ملا اور اپنے والد کے بارے میں بتایا کہ اس کا آخری وقت قریب ہے۔

میں اس سے ملے جانا چاہتا ہوں۔ یہ ہمارا نہ ہمی طریقہ ہے کہ مرنے والے کی آخری رسوم اس کا بڑا بیٹا ادا کرے۔ رام لعل نے یہ بھی کہا ”میں نے ہوائی کرائے کی رقم دوست سے اُوحار لی ہے۔ اگر میں کل کی پروڈا سے روانہ ہو جاؤں تو اگلے پہنچ والپیں آ سکتا ہو۔“ ٹھکنیدار نرم دل آدمی تھا، اس نے کہا ”محبک ہے اتم جا سکتے ہو۔ اگر تم وعدے کے مطابق والپیں پہنچ جاتے ہو تو اپنی شراکٹ پر دوبارہ کام شروع کر دیتا۔“ رام لعل نے شکریہ ادا کیا اور والپیں آگیا۔ اگلے روز اس نے اپنے سکھ دوست سے رقم اوہار اور بذریعہ ریل لندن پہنچ کر بھارت جانے کے لیے نکٹ خرید لیا۔ اس طرح ۲۲ گھنٹوں کے اندر وہ بیہنی پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر وہ ایک دکان پر پہنچا جہاں پالتو پر نہیں، سانپ اور دیگر جانور فروخت ہوتے تھے۔ اسے دراصل ایک چھوٹے زہریلے سانپ کی تلاش تھی۔

وکنار نے بتایا کہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ کل ہی میرے پاس ایک چھوٹا سانپ آیا ہے جو آر کھنہ اٹاگ (Saw Scaled) Viper (کھلاتا ہے۔ یہ سانپ مغربی افریقہ سے عرب، ایران، پاکستان اور بھارت کے خشک اور نم علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کی لمبائی ۱۵-۲۰ سینٹی میٹر تک، رنگ گہرا بھروسے

Careem

GETTING LATE FOR A MEETING?

Book a hassle free ride

Download on the App Store Google play

www.careem.com/app

توڑنے کا کام تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ سارا لمبہ ڈھیر کی صورت میں پڑا تھا۔ دو گھنے بعد بل کیروں نے اپنے ماتھے پر ہاتھ پھیرا، اسے کچھ پسینہ آ رہا تھا۔ اس نے کچھ خیال نہ کیا۔ ٹھوڑی دیر بعد اس نے ہتھوڑا ہاتھ سے رکھا اور اپنے ساتھی سے کہا ”میری طبیعت کچھ نہیں لگ رہی۔ میں ذرا دیر سایہ میں آرام کر لیتا ہوں۔“ پھر وہ درخت کے نیچے بیٹھا سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ پیچے بیٹھے اس کے پورے جسم کو جھکانا کا وہ پیچھے کی طرف الٹ کر گر۔ سب سے پہلے برنس نے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے پیترسن کو آواز دی اور کہا: ”بگ بی بہت بیدار لگ رہا ہے۔ میری بات کا اس نے جواب بھی نہیں دی۔“ سب مزدوڑوں نے کام چھوڑ دیا اور اس درخت کے پاس آگئے جہاں بل کیروں زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن ان میں زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ پیترسن نے رام لعل کو آواز دی کہ ادھر آؤ اور اسے دیکھو۔ تم طب کے طالب علم ہو، تو ہمارا کیا خیال ہے؟ رام لعل کو کسی معاینے کی ضرورت تو نہ تھی لیکن پھر بھی اس نے جھک کر نہض دیکھی اور پیترسن سے کہا کہ یہ تو مر چکا۔ پیترسن نے کہا ”سب لوگ یہیں تھے۔ میں ایجو لینس بلا ٹائرس بلکہ اس کو بھی مطلع کرتا ہوں۔“

وہ پھر پیدل سڑک کی طرف روانہ ہوا تاکہ یو تھے سے فون کر سکے۔ ایجو لینس کے پیچے پر بل کیروں کو ہمپتال پہنچا دیا گیا۔ وہاں ڈاکٹروں نے معاینہ کیا اور بتایا کہ ہمپتال پیچے سے پہلے ہی اس شخص کی موت واقع ہو چکی۔ میکوٹن بھی پریشانی کے عالم میں ہمپتال پہنچ گیا پوچھیں اور عدالتی کارروائی میں چند روز لگے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق بل کیروں کی موت قدرتی طور پر ہوئی۔ وجہ دماغ میں شدید اخراج خون تھا۔ عیسائی مذہب کے طریقے کے مطابق تدفین ہوئی جس میں اس کے خاندان، میکوٹن اور دیگر ساتھی بھی شریک ہوئے۔ رام لعل نے تدفین میں شرکت نہیں کی بلکہ وہ اس مقام پر جا پہنچا جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ وہ گھاس میں کھڑے ہو کر دل ہی دل میں کچھ کہنے لگا ”لے زہر لیے سانپ! کیا تم میری بات سن سکتے ہو۔ تم نے وہ کام کر دکھایا جس کے لیے تھیں راجحنا کی پہلاں یوں سے یہاں لایا گیا تھا۔ میرا انتقام پورا ہو گیا۔ میرے منصوبے کے مطابق تھیں کام کرنے کے بعد مر جانا تھا۔ کیا تم میری بات سن رہے ہو؟ ابھی نہیں تو کچھ عرصے بعد تم مر جاؤ گے۔ بغیر مادہ کے تھاری نسل آگے نہیں چل سکتی کیونکہ آئریڈ میں کوئی سانپ نہیں پائے جاتے۔

جاتا ہر شخص یہ بات جانتا ہے۔ ”بھر اس نے بیٹے سے پوچھا: ”بوبی، تم تو اسکوں میں سائنس پڑھتے ہو، تھمارے خیال میں یہ کیا چیز ہے۔“ لڑکے نے سانپ کی طرف خود سے دیکھا اور کہا: ”یہ یقیناً کچھا ہے جو عموماً جنگل کی گھاٹ میں پلیا جاتا ہے۔“ بگ بیٹی نے اپنے بیٹے سے کہا: ”یہ جو کچھ بھی ہے، اسے مار کر باہر پھینک دو۔“ بوبی اخلاں اپنا جوتا نکال کر اس جانور کو مارنے چلا۔ بل کیروں کے دماغ میں ایک اور خیال آیا۔ اس نے کہا: ”ذرا رک جاؤ اور مجھے ایک ڈھکن والا مرتبان دو۔“ مرتبان آیا تو بیٹی اٹھا اور بہت اختیاط اور پھر تی سے سانپ کو مرتبان میں منتقل کر دیا۔

سانپ بھی آئریڈ کے سرد موسم سے کچھ سست ہو گیا تھا۔ بیٹی نے پوچھا: ”اواپ اس کا کیا کریں گے؟“ بیٹی نے کہا: ”ہمارے گروہ میں ایک کالا بھارت سے آیا ہے، وہاں بہت سانپ ہوتے ہیں۔ یہاں اس کے ساتھ مذاق کروں گا۔ وہ تو شدید خوف کے مارے مر ہی جائے گا۔“ اس نے جیکٹ پہنچ، کھاتا لیا اور بیگ میں پھر سانپ والے مرتبان کے ساتھ رکھ دیا۔ پھر وہ اسٹیشن روائی ہو گیا۔ وہاں سب لوگ مع رام لعل موجہ تھے۔ ٹرک میں سور ہو کر یہ پارٹی کام والی جگہ پر روائی ہو گئی۔ وہاں کام شروع ہونے سے پہلے چائے کے دوران بل کیروں نے پچکے دیگر لوگوں کو بھی بتا دیا کہ وہ اس کا لے کے ساتھ کیا مذاق کرنے والا ہے۔ اس کے ساتھیوں نے سوچا کہ یہ ایک بے ضرر کیڑا ہے، رام لعل کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا المذا ایسے مذاق میں کوئی حرخ نہیں۔ کھانے کے وقت میں سب لوگ حصہ معمول دارے کی شکل میں بیٹھے۔ رام لعل نے کچھ خیال نہ کیا لیکن باقی لوگ اس کی طرف دیکھ رہے تھے کہ اب کیا ہو گا۔ اس نے اپنائی باکس گھنٹوں پر رکھا اور اسے کھولا۔ سینڈوچ اور سیب کے قچ چھوٹا سانپ کثیری مارے بیٹھا تھا۔ رام لعل کی زبردست قیچی سے علاقہ گوچ اٹھا اور ساتھ ہی سب مزدوڑ بے ساختہ زور دار قیچیے لگانے لگا۔ رام لعل نے گھر اکر اپنائی باکس زور سے ہوا میں اچھال دیا۔ سانپ اور سینڈوچ تمام چیزوں چاروں طرف گھاٹ میں گر پڑیں۔ رام لعل چیختن ہوئے کھرا ہو گیا اور بولا ”یہ سانپ بہت زبردیا اور خطرناک ہے۔“ سب لوگ پھر سے بہنے لگے۔ رام لعل نے ان سے کہا: ”یقین کرو، یہ انتہائی زبردیا سانپ ہے۔“ بل کیروں کی آنکھوں میں بہت بہت آنسو آگئے۔

وہ رام لعل سے کہنے لگا: ”کاملے آدمی، تم تو بہت ہی بے وقوف ہو۔ کیا تھیں نہیں معلوم کہ آئریڈ میں کوئی سانپ نہیں پلیا جاتا۔“ بگ بیٹی بہت بہت کچھ تھک گیا تھا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ سر کے پیچے رکھ گھاٹ پر لیٹ گیا کہ چند منٹ آرام کر لے۔ تب اسے معمولی بچھن کا بھی احساس نہیں ہوا۔ اس کی داہمی کلائی پر سوئی کی نوک کے برابر دو انتہائی باریک سوراخ ہو چکے تھے۔ کھانا ختم ہو چکا تھا۔ سب لوگ کام کے لیے اٹھ گئے۔ عمارت

پر لطف ترین شخص

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق



چارلی چپلن ایک لیجٹ آرٹسٹ تھا اس نے بہت کم عمر سے میں اپنی سوچ اور ملاجیتوں کے بل بوتے پر بہت کچھ پروڈیوس کرنے کے بعد دکھا دیا کہ دنیا میں ہر طرح کے انسان ہتھے ہیں اس کی کامیابی فلمیں صرف امنڑیتھت ہی نہیں بلکہ سبق آموز بھی تھیں اسکی فناہی آج بھی دنیا بھر میں کی جاتی ہے۔ تھیٹر، سچی شوز، سینما اور ٹیلی ویژن نے نیا ٹرینڈ لا کر دنیا کو پتا کرویدہ بنا لیا ہے لیکن ساتھ ساتھ آج بھی کئی لوگ ان چیزوں سے شدید نفرت کرتے اور آرٹسٹوں کو میراثی اور کثیر وغیرہ کہتے ہیں حالانکہ آرٹسٹ وہ کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتے ہوں انسان ہونے کے ساتھ اپنے اندر جذبات اور احساسات کا سمندر رکھتے ہیں اور آرٹسٹ سے نفرت کرنا انسانیت سے نفرت کرنے کے مترادف ہے۔ کئی برسوں تک سینما میں اگرچہ ہر دور میں بہبیشہ کچھ نہ کچھ نیا دکھایا جاتا اور شاکنیں محفوظ ہوتے لیکن فی وی آنے کے بعد انسانوں کی سوچ بکر بدل گئی کیونکہ چھوٹی سکرین پر ایڈوڈنائزگ کی بدولت دنیا کی ہر اچی اور بڑی شے نظر کی جانے لگی ایک طرف اگر معلومات کا خزانہ ہوتیں تو دوسری طرف کئی اننانوں کے لئے منفی بھی ثابت ہوتیں، ساتھ اور ستر کی دہائی میں فی وی پر ہر نی شے کو دیکھ کر ہر ایک کی زبان پر یہ ہوتا کہ دنیا کتنی ترقی کر گئی ہے، سامنے کتنی ترقی کر گئی ہے وغیرہ۔ مستقبل قریب یعنی دو ہزار پچیس تک سامنے دنیا میں نیا انقلاب آجائے گا آنے والے سات آٹھ برسوں کے اندر ہم کئی پرانی بیانے سے محروم ہو جائیں گے اور یہ ایسا ماہی کا حصہ کہا جاتا ہوئے اینکا شکار کی جائیں گی جیسے کہ آج کل ٹرانزسٹر یا ٹیپ ریکارڈر وغیرہ کا کہیں نام و نشان نہیں ہے آج کی جزویں نہیں جانتی کیسٹ ریکارڈر کیا ہوتا ہے۔ ہائی ٹیک یعنی ہائی میکنالوجی دنیا بھر میں پیڈیٹ پکڑ بچکی ہے اور ہر انسان کی ضرورت بھی بن گئی ہے کیونکہ جتنی ترقی کر رہی ہے انسان کیلئے سہولت پیدا ہو رہی ہے اتنی تیز رفتاری سے انسان ست اور ہنما ہوتا جا رہا ہے۔ لیکویڈ کریسل ڈیپلے چینیں ایل سی ڈی ٹیلی ویژن کہا جاتا ہے جیسے ہر ایک طور پر اپنی مخصوص بناوٹ سے دنیا بھر میں مقام حاصل کر چکے ہیں اور موٹی تو نہ والے ٹی وی کو کچھ کے کے ڈیپلے یعنی ری سائیکلٹک کمپنیز کو واپس کر دیا گیا ہے آج ماضی کا حصہ بن چکے ہیں کیونکہ ایل سی ڈی ٹی وی بہت پتلے یعنی سادت ہونے کے ساتھ بہت کم جگہ لیتے اور آج کل بہت ارزان قیمت پر دستیاب ہیں اسکے باوجود گزشتہ برس ایل جی کمپنی نے مستقبل کیلئے ایک یا اٹی وی متعارف کروالیا ہے ہے اور ہر ایک لائٹ ایمیٹنگ ڈاؤڈ یعنی او ایل ای ڈی کا نام دیا یہ یا ٹی وی اپنی منفرد لائنس سے فناش کرے گا جس سے از جی کی بچت ہو گی اور آج کل کے فور کے ٹی وی سے زیادہ صاف و شفاف تصویر پیش کرے گا علاوہ ازیں یہ جیسے ایگزیٹ ٹی وی کا گانڈ کی طرف بدیک ہونے کیسا تھہ روں اور فوٹھ کیا جاسکے گا کمپنی کے ترجمان کا کہنا ہے اس ڈیلویوری یعنی وال ہیپرز کی موہائی انداز دو سے تین ملی میٹر ہو گی متناطلی سٹم سے دیوار میں ایڈجسٹ کیا جاسکے گا عام استعمال کے لئے اس سال کے آخر میں مارکیٹ میں دستیاب ہو گا۔ لیڈی ٹیپ۔ عام بلب یا از جی سیور لیپس بہت جلد مارکیٹ سے ہٹا دے جائیں گے انکی جگہ پر کرنے کیلئے اولین ٹیپ کا موادہ ایل جی کے ٹی وی سٹم سے کیا جا سکتا ہے معرف کمپنیز فلپس اور اوسرا میں جو کمپنیز ایک نیا سوچ میڈیا آج کل کے سعادت یا اسی نی سٹکس پر تمام ڈینا منتقل کرنے کے بعد سورج کیا جاتا ہے بجکہ آنے والے برسوں میں یہ سب کچھ ناٹک ہو جائے گا اور اسکی جگہ بوسک، ایکسزروں اور گول کمپنیز ایک نیا سورج میڈیا متعارف کروائیں گے جس میں وائی فائی سٹم کے تحت آن لیڈنڈ ڈینا سورج کیا جائے گا۔ یعنی کم کونزوولز گیمز کھیلنے والے یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ کونزوولز یا دیگر کونزوولز کے بغیر اپنی من پند یکم ایکس بوسک یا اپلے شیشن پر کھیل سکیں لیکن مستقبل تربیت میں این وائی فیڈیو کمپنی کونزوولز فری کلاؤڈ یکم سٹم متعارف کروائے گی جس سے گیم کھیل جائیں گی کیونکہ یہ کیم کیم فورس ناؤ کیم سٹریٹنگ سروس کے ذریعے گیم کھیلنے والوں کیلئے سہولت پیدا کرے گی علاوہ ازیں اپ لوڈ اور ڈاؤن لریوٹ ہر سرو کے ذریعے ہائی ٹیک طریقے سے استعمال کیا جاسکے گا۔ کبیل چار جرز۔ سینگ کمپنی نے حال ہی میں کبیل فری چار جرز متعارف کروالیا ہے ایک مخصوص پیڈیٹ کے ذریعے سادت فوٹز، ٹیپ ناپ اور دیگر ایکٹر و مک انسٹرومنٹس چارج کئے جائیں گے، بیک یا ایڈیپل کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی، ایپل کمپنی نے بھی کبیل فری ایک ٹنی میکنالوجی متعارف کروائی ہے جس سے تمام آلات کبیل کے بغیر چارج کئے جائیں گے۔ ریبوٹ کنزوولز پر گرامنگ اور دیگر فناش کے لئے ریبوٹ کنزوول کی بجائے وائس سٹم سے تمام آلات فناش کریں گے اس سٹم کیلئے سینسور استعمال کیا جائے گا مثلاً ایکس بوسک یا اپلے شیشن کو ٹی وی کے والیم سے منتک کرنے کے بعد وائس کنزوول سے استعمال کیا جاسکے گا۔ پلائس کارڈز اور پاس ورڈز سٹم بھی بہت جلد ختم کرنے کے بعد تمام ڈینا سادت فوٹز پر منتقل کرنے سے ہر قسم کی شاپنگ کی جاسکے گی بائیو یمیزک سینس اور ہائی ٹیک الافا ٹیک سٹم کے علاوہ فنگر پر ٹیش اور پھرے کی شناخت سے تمام عوالں باہمانی طے پائیں گے انسان ایک طرف کہتا ہے کہ سامنے ترقی کر رہی ہے جیسیں اس سے فناکہ اٹھاتا چاہئے اور دوسری طرف سامنے انوں کو برا بھلا بھی کہا جاتا ہے۔ چارلی چپلن آج زندہ ہوتا تو بہترین ایکٹر بھی ہوتا جو ہستے ہستاتے بہت کچھ دریافت کرتا اور لوگ اس کی تعریف بھی کرتے۔

ترقی

مصنف: علی احمد



جب کمالی ہڑھنے لگی تو جھرو کی بیوی چیلی کے دل میں لاٹھ پیدا ہوا اور وہ کمالی کے پیسوں میں سے کچھ پیسے الگ نکال کر اپنے اپنے بچوں کا شوق پورا کرنے لگی اور منگلو کی بیوی بیلا اور اس کے بچوں سے بھیج دھاڑ کرنے لگی۔ بیلا اس کی ان حرکتوں کو سمجھ گئی، چیلی فضول خرچ اور لاپتی تھی وہ چالاکی سے اپنے داوچ پچھلائی جب کہ بیلا سمجھ دار اور اچھی عادتوں کی ماں تھی۔ ایک دن بیلا نے چیلی سے کہا کہ کیوں نہ ہم دونوں اپنا کام الگ کریں اور اپنی اپنی کمالی بھی اپنے پاس رکھیں چیلی کو یہ بات پسند آئی اور وہ مان گئی۔

کچھ دونوں بعد جھرو اور منگلو بھی اپنے اپنے خاندانوں کے ساتھ الگ الگ رہنے لگے۔ چیلی کی لاپتی طبیعت اور فضول خرچی کی خراب عادتوں کی وجہ سے جھرو اور اس کے خاندان کے لوگ پریشان رہنے لگے۔ جب کہ بیلا کی سمجھ داری اور کلفیت شعاری سے منگلو ترقی کرنے لگا۔ بیلا تھی تو سمجھ دار لیکن پڑھی لکھی نہیں تھی اس نے پڑھنا لکھنا سیکھا اور منگلو کو بھی سمجھایا کہ علم سیکھنے کی کوئی عمر نہیں ہوتی، جب جاگے تب سوریا، منگلو نے بھی پڑھنا سکھ لیا اور ترقی کرتے ہوئے اپنے بچوں کو اعلاء تعلیم دلوائی آج منگلو اور بیلا کے بچے ذاکر اور انحصار بن گئے ہیں، جب کہ جھرو اور چیلی اپنی خود کی حرکتوں سے گاؤں سے بھی پنچلے درجے کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔ ہوا یوں کہ اس دوران چیلی بھی مر گئی۔

یہ بات منگلو کو پسند نہ آئی کہ اس کا دوست جھرو اس طرح پریشان رہے اس نے بڑھ کر اپنے دوست کی مدد کی اور اس کے بچوں کی تعلیم کے لیے اچھا انتظام کیا اور نمائش اسکول میں ان کا داخلہ کراویا۔ دھیرے دھیرے ایک دوست کی مدد سے دوسرا دوست بھی ترقی کرنے لگا۔ اب جھرو کے بچے بھی ٹیکھے بن کر محنت سے پڑھانے کا کام کر رہے ہیں۔ حق ہے کہ فضول خرچی سے ہمیشہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے جب کہ کلفیت شعاری سے ترقی ہوتی ہے۔

§ § §



ایک گاؤں میں جھرو اور منگلو نام کے دو دوست رہتے تھے۔ دونوں بہت غریب، جاںل اور سیدھے سادھے تھے۔ دونوں میں بڑی گہری دوستی تھی دونوں اپنے اپنے خاندان کے ساتھ آپس میں مل جل کر رہتے تھے۔ دونوں فرصت کے وقت مندر کی صاف صفائی بھی کر لیا کرتے اور بیٹھ کر بیٹھان کیرتن کرتے تھے۔ بیکی ان کا روزمرہ کا معمول تھا۔ دونوں اپنی غربی کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان تھے۔ ایک دن مندر میں دونوں کی ملاقات ایک پنڈت جی سے ہوئی دونوں نے ان سے اپنی پریشانیاں بتائیں۔ دونوں کی باتیں ہیں کہ پنڈت جی مسکراتے اور کہا: ”تم اس ترقی یافتہ دور میں اپنی بے وقوفی کی وجہ سے بے روزگار ہو۔“ وہ دونوں پنڈت جی کی باتیں چپ چاپ نہیں رہے۔ پنڈت نے ان کی حالت بھانپ کر دوноں سے کہا: ”تم دونوں شہر جا کر اپنے لیے روزگار ڈھونڈنے کے ہو یہاں پڑے پڑے تمہیں کچھ نہیں ملتے والا۔ بغیر محنت و مشقت کے دینے والا کچھ بھی نہیں دیتا۔“ ان دونوں کو پنڈت کی بات سمجھ میں آگئی۔



یہ دونوں کبھی بھی گاؤں سے باہر نہیں کے تھے۔ اس لیے شہر جانے سے ڈرتے تھے۔ دونوں نے فیصلہ کیا کہ اب کی بار گاؤں کی جاترا میں جب شہر کے لوگ ایسیں گے تو ہم دونوں ان کے ساتھ شہر چلے جائیں گے۔

جھرو اور منگلو شہر آگئے۔ شہر کی چکا چوندھ سے وہ بھوپنگ رہے گئے۔ کام کی تلاش میں دونوں کئی دونوں تک بھکتے رہے وہ جہاں بھی کام کی تلاش میں جاتے تو لوگ ان کے بارے میں پوچھتے اور کیا کام کر سکتے ہو یہ پوچھتے۔ وہ دونوں شہر کے لوگوں کے سامنے کچھ ڈھنگ سے بول بھی نہیں پاتے تھے۔ اور لوگ ایسیں دھنکار کر اپنے پاس سے بھگا دیتے۔

ایک دن بہت کر کے کام ڈھونڈنے لگے تو اتناج کے گوادام میں کام مل گیا۔ کام تھاتانج کی بوریاں ڈھونا، جھرو اور منگلو بھکتی تو تھے ہی، اپنی محنت اور گلن سے کام کرنے لگے اب دھیرے دھرے ان کی لکھیشیں دور ہونے لگیں۔ جھرو اور منگلو اپنی کمالی کے پیسے اکٹھے ہی رکھتے اور تھوڑی بہت بچت کھی کرتے۔ دن گزرتے گئے اب ان کے رہنے کا مسئلہ بھی دور ہو گیا، انہوں نے کرایے پر ایک کرہ لے لیا اور گاؤں جا کر اپنے اپنے خاندان کو شہر لے آئے دونوں کی بیویاں چیلی اور بیلا بھی کام کرنے لگیں اور اپنی کمالی ساتھ ہی رکھتے لگیں ان دونوں کے بچے پڑھنے کے لیے اسکول بھی جانے لگے۔

ملن کے
بانتھوں کا پیر.



کہ انہیں خود اس گیس کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ آسیجن خارج کرتے ہیں جو انسانی زندگی کے لئے لازمی ہے۔ بھیڑ، بکری، اونٹ جیسے حیوانات اور سینکروں جنکی جانور اپنی غذا ان ہی جنگلات سے حاصل کرتے ہیں۔



جنگلات تفریغی مقالات کے کام آتے ہیں اور لوگ ان کے خوبصورت، حسین مناظر سے اطف اندوڑ ہوتے ہیں۔ جنگلات مختلف اقسام کے جانوروں اور پرندوں کی افراٹائش اور اشونما کا ذریعہ بنتے ہیں انسان آج انہی درختوں کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ چکا ہے، ہی پاں، وہی درخت اپنے قاتل اسی انسان کی بے شمار ضروریات پورا کرتے ہیں۔ اگر ان بیانات کو زمین سے خارج کیا جائے تو اس کا تصور بھی ممکن نہیں۔ یہی درخت جہاں ماحول کو انسانی زندگی کا تصور بھی ممکن نہیں۔ آسیجن میں اضافے اور خوبصورت بنتے ہیں، وہیں ہوا کو صاف رکھتے، آندھی اور طوفانوں کا زور کم کرنے، آپی کٹاؤ رونے، آسیجن میں اضافے اور آب و ہوا کا توازن برقرار رکھنے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ ماخولیاتی آلووگی موجودہ دور کا ایک لمحہ مسئلہ ہے تو درخت یہ اس چیزیہ مسئلے کا ایک اچھا اور آسان ترین حل ہیں۔



اب ہمارے جنگلات صرف بخشکل تک 4 فیصد رہ گئے ہیں۔ اس کا خوفناک تیجہ یہ تکالا ہے کہ ہمارے ملک میں اب وہ سلسلہ وار بدشیں بہت حد تک ختم ہو کر رہ گئی ہیں، جن پر ہماری زراعت کا سب سے زیادہ انحصار تھا۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ بھارت نے دریائے راوی کا پانی مکمل بند کر دیا تو علاقہ بخوبی گیا۔

حکومت کو بھارتی آلبی دہشت گردی کے سد باب کے ساتھ ساتھ پاکستان بھر میں ان ملتے جنگلات کو بچانے کی فوری تدبیر کرنی چاہیے۔ پاکستانی قانون میں اگرچہ کاغذات کی حد تک جنگلات کے کٹاؤ کے خلاف پابندی بھی عائد ہے

وغیرہ قانونی انسانی ہاتھ ہیں۔ اگرچہ حکومت اپنے اعداد و شمار کے ذریعے یہ ثابت کرنے پر مصروف ہے کہ گذشتہ دس برسوں میں جنگلات پر مبنی کل رقبہ چار اعشاریہ آنھ سے بڑھ کر پانچ اعشاریہ صفر ایک فیصد ہو گیا ہے۔

پاکستان میں دیگر مسائل کے علاوہ جنگلات کی کمی بھی ایک مسئلہ ہے۔ جنگلات کی کمی ہونے کی وجہ سے روز بروز آلووگی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ تو دوسری طرف ٹبر مافیا بھی اپنا کردار نبھانے میں سرگرم ہیں۔ جنگلات میں کمی کرنے میں ٹبر مافیا خاطر خواہ کردار ادا کر رہے ہیں۔ جنگلات کی قیمتی لکڑی کو مفت اور چوری کاٹ کر بازاروں میں جای پیچتے ہیں۔ ٹبر مافیا کی ان حرکات کا خیزیہ پوری قوم کو بچلانا پڑ رہا ہے۔

لہذا اب ضرورت اس امری ہے کہ ٹبر مافیا کو روکنے کیلئے حکومت سخت قانون بنائے (قانون تو موجود ہیں ان کا نفاذ یقینی بنائے) جنگلات کی بھی ملک کی معیشت کا لازمی جو ہیں۔ ملک کی متوالن معیشت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے فیض مرقبے پر جنگلات ہوں۔ جنگلات تدریجی وسائل کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ پاکستان میں جنگلات کاکل رقبہ 42,240 کلومیٹر ہے جو کہ 90% 31 بنتا ہے پاکستان میں جنگلات کا رقبہ اس لئے بھی کم ہو رہا ہے کہ یہاں پر جنگلات کو بے رحمان طریقے سے کاتا جا رہا ہے۔ مکاتاں کی تعمیر کے لئے جنگلات کی زمین کو استعمال کی جا رہا ہے اور پھر ہر سال دریا بھی کٹاؤ کا کام کر رہے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ جنگلات کے الگانے کے لئے مزید زمین مختص کی جائے اور درختوں کی غیر ضروری کٹائی کو بند کیا جائے۔

جنگلات ملک کے اہم وسائل میں سے ایک ہیں اور یہ اس ملک کی عمرانی لکڑی اور جڑی بونیوں کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ جنگلات زمین کی زرخیزی قائم رکھتے ہیں اور مدد کرتے ہیں۔ جنگلات درجہ حرارت کو اعتدال پر رکھتے ہیں اور اطراف کے موسم کو خاص طور پر خونگوار بناتے ہیں۔ جنگلات سے حاصل شدہ جڑی بونیاں ادویات میں استعمال ہوتی ہیں۔ جنگلات جنگلی حیات کا ذریعہ اور سب ہیں۔ بے شار مجھلی جانور یعنی شیر، چیت، اور ہرن وغیرہ جنگلات میں پائے جاتے ہیں۔ جنگلات جلاۓ جانے والی لکڑی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ جنگلات زمین کے حسن و لفڑی میں اضافہ کرتے ہیں۔ جنگلات بہت سے وسائل کا ذریعہ اور ماغذہ ہیں۔ مثلاً جنگلات سے حاصل کردہ لکڑی فرنچپر، کافغاں، ماچس اور کھلیوں کا سلائل تیار کرنے میں استعمال ہوتی ہیں۔ جنگلات پیلاؤں پر بھی ہوئی برف کو تیزی سے پھٹنے سے روکتے ہیں اور زمین کے کٹاؤ پر بھی قابو رکھتے ہیں۔

جنگلات انسانوں اور تدریجی بیانات کو تیز رفارم آندھیوں اور طوفان کی تباہی اور بر بدایی سے محفوظ رکھتے ہیں۔ جنگلات غفاء میں کاربن ڈائی آسائیڈ کی مقدار کو بڑھنے نہیں دیتے کیوں

جنگلات کی معاشی، ماحولیاتی

اہمیت!

مصنف: سفیان خان

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو عطا کردہ عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت جنگلات بھی ہیں۔ اللہ نے اپنے بندوں کے لئے بنائی عالیشان نعمتوں میں باغات اور بیانات کا خصوصی ذکر ملتا ہے۔ لے اور لگھنے سائے والے درخت، ان کے سائے اور ان سے پیدا ہونے پہلوں اور میوہوں کو اللہ نے جنت کی اعلیٰ ترین نعمتوں میں بیان کیا ہے۔



پاکستان سمیت دنیا بھر میں ہر سال 21 مارچ کو جنگلات کا عالمی دن منایا جاتا ہے، جنگلات کی معاشی، ماحولیاتی اور رسمی اہمیت کا تعین کرتے ہوئے اقوام مختلفہ کی اسمبلی میں جنگلات کا عالمی دن منانے کی قرارداد پیش کی گئی اس دن کے منانے کا مقصد جنگلات کو ترقی دینا۔ جنگلات اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد سے معاشرے میں شعور اجا گر کرنا ہے۔ جنگلات کے کٹاؤ سے ہونے والے نقصان کی آگاہی دینا۔

گزشتہ چند سال میں جنگلات کا رقبہ سالخ فیض سے کم ہو کر تین فیض رہ گیا ہے۔ جنگلات کی روز بروز کمی کے باعث اوزون کی تہہ باریک ہوتی جا رہی ہے اور زمین کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے۔ اس لئے جنگلات کے تحفظ کے لئے تحریکیں چلائی جا رہی ہیں۔ جنگلات نہ صرف انسانوں بلکہ چرند پرند اور جانوروں کی بقاء کے لئے اہمیت رکھتے ہیں۔ ملک کی متوالن معیشت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے میں فیض رقبے پر جنگلات ہوں۔ لیکن سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پاکستان کے کل رقبے کا صرف لگ بھگ پانچ فیصد جنگلات پر مشتمل ہے۔

جبکہ غیر سرکاری حقوق کے مطابق پاکستان کے پاس صرف تین فیصد جنگلات باقی ہیں۔ ان میں سے بھی ہر سال قرباً اتنا لیس ہزار ہیکل بھل غائب ہو رہا ہے۔ اس میں آگ، کیڑے مکروہوں اور بیاناتی بیماریوں کا قصور صرف چھ فیصد ہے۔ اب تک 94 فیصد جنگل کی صفائی کے ذمہ دار کر شل اور نان کر شل، قانونی

Careem

GETTING LATE FOR A MEETING?

Book a hassle free ride



Download on the
App Store

Google play

www.careem.com/app

In love?



Happy St. Valentine's Day



، لیکن اس کی کسی کو پروانیں۔ اصل میں جنگلات کے کثرا، اور ان درختوں کے جو نہروں، دوریاؤں، سڑکوں کے کنارے لگائے جاتے تھے، وہ افراد تی ملوٹ میں، جو ان کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں، پاکستان کے جنگلات اور ملک کے باقی درختوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔ وہ زیر اعظم جانب نواز شریف کے ساتھ چاروں وزراءۓ اعلیٰ سے عالی یوم جنگلات کے موقع پر گزارش ہے کہ اس مسئلے کی بھی فوری نوٹس لیں۔ شجر کاری کی زیادہ سے زیادہ محروم چلاکیں اس سلسلے میں عموم کو بھی بھر پور کردار ادا کرنا چاہئے۔

————— § § § —————

خواتین کا عالمی دن

مصنف: علی احمد

اگر معاشرے کے ثابت پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے کئی روشن مثالوں کو بیان کریں تو اسی معاشرے کا حصہ ہوتے ہوئے جدوجہد آزادی میں سرگرم رہنے والی خاتون "فاطمہ جناح مارڈ ملت" کہلائیں۔ معاشرے کی فلاں اور رہنمائی کا بیڑا ستر پر اٹھائے ہوئے دن رات مصروف عمل رہنے والی بلقیس ایڈھی ایک منفرد اور اعلیٰ سوچ رکھنے والے عظیم انسان کی بیوی ہے۔



اوپر دنیا میں ایک اعلیٰ مقام رکھنے والی عظیم اور یہ بانو قدیسہ کو بھی اشغالِ احمد جیسے ایک اعلیٰ پایے کے محقق اور مدیر انسان کی معاوحت حاصل رہی۔ افونج پاکستان میں بھرتی ہونے والی خواتین جو آج معاشرے کے حقول کے مطابق زندگی گزارنا پڑتی ہے۔ مغربی معاشرے کی عورت جو بھی کوئی زندگی کا تھلکہ لڑ کر فرض کی تجھیں کے لیے ہر روز ڈیوبنی پر موجود ہوتی ہیں۔ انہی میں سے ایک فلائیٹ آفیسر مریم مختیار اس وطنِ عزیز کیلئے جان کا نذرانہ پیش کرنے والی ہائیٹ میٹی کا جنم بھی تو اسی معاشرے میں ہوا تھا۔ امک اور نیوکلیئر فرسکس میں مہارت رکھنے والی اس قوم کی غیر "بیٹی" ڈاکٹر عافیہ صدیقی، بھی تو کسی باپ کی بیٹی، کسی شوہر کی بیوی اور کسی بیٹی کی ماں ہے۔ کسی تہذیب میں تو مرد عورت کی تعلیم میں روکاوت بنا تو کسی جگہ اسی کی سپورٹ کرنے میں سر فہرست رہا۔ عورت اس معاشرے کا نہیت اہم جزو ہے۔ جس کے بغیر نہ نسلیں چل سکتی ہیں نہ توبیں بن سکتی ہیں۔

عورت کے وجود سے ہی زندگی ہے سوال یہ ہے کہ "عورت آخر چاہتی کیا ہے؟" عورت عزت چاہتی ہے تھفظ چاہتی ہے۔ عورت تعلیم حاصل کر کے زندگی کی دوڑ میں مرد کے ساتھ چلانا چاہتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عورت کا حقیقی مقام سمجھتے ہوئے جو ایک ماں بھی ہے اور ایک بیٹی بھی وہ بیوی ہے اور بین بھی۔ معاشرے کی ترقی میں عورت کے کردار کو سمجھا جائے۔ تعلیم عورت کا نہیادی حق ہے۔ پڑھی لکھی ماں ہی پڑھے لکھے معاشرے کو جنم دے سکتی ہے۔ عورت کو تعلیم کے زیور سے آرامتہ کر کے معاشرے اور آنے والی نسلوں کے مستقبل کو روشن بنایا جا سکتا ہے اور ملک کی ترقی اور خوشحالی کا ایک بیان دور شروع ہو سکتا ہے۔

§§§

مارچ کی 8 تاریخ خواتین کے عالمی دن کے طور پر منائی جاتی ہے ایک طرف اللہ تعالیٰ نے جنت مان کے قدموں میں رکھ دی ہے تو دوسرا طرف آج بھی ہمارے معاشرے میں عورت کو پاؤں کی جوتو سمجھا جاتا ہے عورت کے حقوق پر بحث کوئی نئی بات نہیں کئی صدیوں سے عورت اپنے حقوق کے حقول کے لیے جہد مسلسل میں ہے۔ وہی حقوق جن کی ادائیگی آج سے 14 سال پہلے اسلام کر پکا۔ اسلام جس نے عورت کو عزت و مقام دیا۔ وہندہ اسلام کے آغاز سے پہلے عرب میں عورت کو زندہ گاڑ دیا جاتا تھا۔ لڑکی کی پیدائش ایک خوست سمجھی جاتی تھی۔ عورت کو فشاو کی جڑ سمجھا جاتا تھا۔ ہندو معاشرہ جو آج بھی عورت کو مکمل حقوق دینے سے قادر ہے۔

شوہر کے مرنے کے بعد عورت دوبارہ سے نامل زندگی گزارنے کا حق نہیں رکھتی۔ عورت کو "بیت" میں بیٹا اور غیر انسانی رسم کے مطابق زندگی گزارنا پڑتی ہے۔ مغربی معاشرے کی عورت جو بھی ترقی یافتہ ملک میں عورت کو دوڑ ڈالنے کی آزادی نہیں تھی کچھ سال قبل عورت کو دوڑ ڈالنے کا حق حاصل ہوا۔ عورت جو مغربی معاشرے میں مرد کے شانہ بشانہ معاشری رہیں میں پلٹی چلتی اب تھک بھی ہے۔ اس معاشرے میں جہاں عورت کو مرد کے برابر کام کرنا پڑتا ہے۔

جبکہ زندگی کی ساری سہولیات کے حقول کے لیے انسان دن رات کام تو کرتا ہے مگر پیسے اور کام کی اس دوڑ میں کہیں رشتہ اور خاندان بہت دور جا پڑتے ہیں۔ مشرقی معاشرہ جو ایک طرف تو غیرت کے نام پر بین و بیوی اور بیٹی کا قتل جائز سمجھتا ہے۔ دوسرا طرف اسی معاشرے میں کسی کی بھی بیوی، بین و بیٹی سڑک و بس سٹاپ اور گلی پارکاروں میں پلٹی پھریتی خود کو غیر محفوظ سمجھتی ہے۔ اس کم پڑھے لکھے اور غیر ترقی یافتہ معاشرے میں اگر کوئی لڑکی بس کے انتشار میں "بس سٹاپ" پر کھڑی ہو تو ہر عمر کا مرد اسے لفٹ دیتے کیلئے تیار گھرا ہوتا ہے۔ ایسا معاشرہ جہاں کسی مرد کو اپنی غیرت اور عزت تو محفوظ چاہیے مگر کسی دوسرے کی عزت انہی سڑکوں پر رسو اکی جاتی ہے۔ آج اسکیوں صدی کے اس نام نہاد مذہب معاشرے میں عورت کی تعلیم اس کے حقوق اور آزادی پر بات کرنے والوں نے کیا صحیح معنوں میں عورت کو عزت دینے کی کوشش کی؟ عورت کی تعلیم جس کی بات آج مغربی معاشرہ کرتا ہے اس کے بارے میں احکام تو اسلام چودہ سو سال قبل دے چکا ہے۔

بی کریم کے ارشاد کے مطابق "علم" کا حقول ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے، "ایسا پر کیکنیک مذہب جو صدیوں پہلے ہی عورت کے حقوق متعین کر چکا جو عورت کو تعلیم کا حق دے چکا۔ اسی مذہب کے پروکار عورت کو عزت دینے میں اتنے تجھیں کیوں؟ اسی پاکستان میں جو بنا ہی کہیں اسے وراثت میں نام پر تھا آج بھی اس معاشرے میں جسمانی اور ذہنی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے کہیں اسے وراثت میں حصے سے محروم رکھا جاتا ہے تو کہیں غیرت کے نام پر اس کا خون بھایا جاتا ہے۔ دنیا میں ہر چیز کے کچھ مفتی اور کچھ ثابت پہلو ہوا کرتے ہیں۔ مرد چاہے مغربی معاشرے کا ہو یا مشرقی معاشرے کا اگر اس کی سوچ ثابت اور تعمیری ہو۔

اگر وہ اخلاقیات کے اعلیٰ درجہ پر ہو تو وہ عورت کو بہیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھے گا۔ یہ اس کی تربیت ہے جو اسے عورت کی عزت کرنا سمجھاتی ہے۔ اور مرد کی تربیت ماں کی گود سے شروع ہو کر خاندان کے ماحول سے ہوتی ہوئی معاشرے کے طور طریقوں پر ختم ہوتی ہے۔ ثبت سوچ کے مالک لوگ نہ صرف عورت کو عزت دیتے ہیں بلکہ انہیں خاندان اور معاشرے کا نہیت اہم رُکن کی حیثیت سے قبول کرتے ہیں وہ اپنی ماں، بیوی اور بین اور بیٹی ان سارے خداوں سے عورت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

کے بعد کرتے ہیں۔ ظاہر ہے اتنی فراخ دلی جب دکھائی جائے کی تو کچھ لوگ اسے غلط ضرور استعمال کریں گے۔ انہوں نے اس بات پر بھی خور کر رکھا ہے۔ چنانچہ کر سکس کے بعد وال مارٹ کے باہر ایک طویل قطار سامان واپس کرنے والوں کی لگتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کر سکس کے لیے جوتے، پڑتے اور ناتی وغیرہ لے جاتے ہیں اور چند دن استعمال کر کے اس پیکش کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے واپس کر دیتے ہیں۔ لیکن وال مارٹ میں اسے بھی واپس لے لیا جاتا ہے۔ کیوں؟ وہ کبھی ہیں کہ ہمارے اندازے کے مطابق اس قسم کے لوگ معاشرے میں 3 یا 4 فیصد سے زیادہ نہیں ہوتے۔ اب اگر ان سے پوچھ گھو کریں گے تو ہمارے 96 فیصد گاہک متاثر ہوں گے۔

الہذا ہم یہ دھوکا کھانے کے لیے تیار ہیں۔ دیکھیے! ہم جس چیز کو مشکل سمجھ رہے ہیں، وہ مغرب میں "کاروباری راز" کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ پاکستان کے بازاروں میں ایسا کیوں نہیں۔ غالباً اس کی وجہ دینی معلومات کی کمی یا دنیاوی فوائد کے لیے سنبھیدہ ریسرچ سے گزینہ ہے۔ یہ بات شیک ہے کہ ہمارے ہاں بدعتوں نیزدہ ہونے کی وجہ سے وال مارٹ کی طرح آخر نہیں دی جا سکتی لیکن ضروری تخفیفات کے ساتھ اس پر عمل تو ہو سکتا ہے۔ اگر ہم اس "کاروباری راز" پر سنت نبوی ﷺ سمجھ کر ہی عمل کرنا شروع کر دیں تو یقیناً ثواب کے ساتھ ساتھ کاروبار کو بھی بڑی تیزی سے بڑھایا جاسکتا ہے۔ اس بارے میں سچے گاضور!

§§§

آپ ﷺ کا قول ہے "جس نے کسی خریدے ہوئے سامان کو (بلا بحث و مبایحہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے) واپس لے لیا تو اللہ تعالیٰ قیمت کے دن اس کے گناہ منادیں ہیں۔"

مگر ہم لوگ مسلمان ہونے کے باوجود اس پر عمل نہیں کر پا رہے، اور غیر مسلموں نے اس پر عمل کر کے اس اہم "کاروباری راز" کو پا لیا ہے۔ ایک اور واقعہ بیان کرتا ہوں جسے سن کر مجھے لگا جیسے میں کوئی خیر القرون کا قاصدہ سن رہا ہوں۔ پاکستان میں اکاؤنٹنگ ایڈیشنل فانس کے ایک صاحب میں اپنے ساتھ امریکہ میں پیش آیا واقعہ بتاتے ہیں کہ کپڑا خریدے دو ماہ ہو چکے تھے۔ نیگم نے کھول کر دیکھا تو اسے اپنے معیار کا نہ پایا۔ کہنے لگیں یہ واپس کر آئیں۔ میں نے کہا مجھنی دو ماہ پوچھ۔ اب واپس نہیں ہو گا۔ نیگم صاحب نے اپنی اٹھیں جس رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے یقین سے کہا یہاں واپس ہو جاتا ہے۔ میں نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا اچھا چلو رسید دے دو، میں سوچتا ہوں۔

ایلہ نے حیرت کا دوسرا جھلکا دیتے ہوئے کہا رسید بھی گم ہو گئی، لیکن واپس ہو جائے گا۔ میرے لیے یہ نیگم کا کنٹر نظر قابل قبول نہیں تھا۔ میں نے تو پاکستان کی دکانوں پر لکھا دیکھا ہے، خریدی ہوئی چیز واپس یا تبدیل نہیں ہو گی۔ مجھے تو چند منٹ بعد واپس کرنے پر بھی کوئی ایسا واقعہ یہ نہیں آ رہا تھا کہ دکان دار نے اسی خوش دلی سے چیز واپس لے لی ہو، جس خوش دل کا مظاہرہ وہ پیچے کے موقع پر کر رہا تھا۔ خیر! میں نے کہا کہ یہ کام تم ہی کر کے دکھاؤ۔ ہم دکانوں وال مارٹ بیٹھنے کے۔ کاؤنٹر پر موجود خاتون نے پہلے رسید مانگی۔ پھر مختلف زبانی معلومات کے ذریعے کمپیوٹر سے اس خرید و فروخت کا پتہ لکھا اور مسکراتے ہوئے کہا: "بھی ہاں! آپ نے فلاں تاریخ کو یہ کپڑا ہمارے اسکور سے خریدا تھا۔ آپ تبدیل کروانا چاہیں گے یا کیش؟" ایکش۔ میں نے جواب دیا۔ اس خاتون نے مسکراتے ہوئے پوری رقم واپس کر دی

"Nice Shopping"



آج کے زمانے میں خریدی ہوئی چیز واپس لے لیں۔ واقعتاً بڑے دل گردے کا کام ہے۔ یہ رویہ یا تو وہ اختیار کرے گا جو یا تو اس عمل پر اخدوی ثواب کی امید رکھتا ہو۔ دوسرا وہ جو اس رویے کے در پردہ مالی فوائد کو سمجھ سکے۔ وال مارٹ والے ظاہر ہے گاہک سے چیز ثواب کی نیت سے واپس نہیں لیتے۔ یہ سب کچھ وہ دنیا کے مفادات کی خاطر انتہائی گہری تھیں

کاروباری راز

مصنف: سفیان خان

اس دوکان سے مجھے میڈیسین خریدتے تیرا روز تھا، اور میں میڈیکل شور والے کی خوش اخلاقی سے کافی متاثر بھی تھا، اسی وجہ سے میں بار بار اسی دوکان والے کے پاس جا رہا تھا۔ ہبہ تال میں موجود مریض جس کیلئے ادویات خریدی جا رہی تھیں اب تقریباً صحتیاب ہو رہا تھا۔



ڈاکٹر نے جو ادویات لکھ کر دی تھیں، ان میں سے کچھ ادویات ٹھیک نہیں تھیں جو کہ فل پیسٹا اور قابل استعمال تھیں۔ میں نے سوچا یہ ادویات واپس کر دی جائیں۔ جب میں اس ارادے سے میڈیکل شور والے کے پاس پہنچا اور اسے ادویات کی واپسی کا بولا تو پہلے تو اس نے میری طرف عجیب نظرؤں سے دیکھا پھر ایسے رد عمل کا تہذیب کیا جیسے میں نے اسے کوئی گالی نہیں دی۔ ہو۔ اس نے ادویات واپس لینے سے صاف انکار کر دیا۔

میں جران رہ گیا کہ جس بندے کے پاس صرف اس کی خوش اخلاقی کی وجہ سے بار بار میں جا رہا تھا اب میرے ساتھ کس طرح کا حسن سلوک کر رہا ہے۔ خیر میں نے زیادہ اصرار کیا تو موصوف کہنے لگے کہ واپسی کی وجہ سے پچھے نہ خریدیں۔ پھر مجھوں مجھے تبلوں کے طور دوسری ادویات خریدنی پڑی، لیکن واپسی پر میں یہ سوچنے پر مجھوں ہو گیا کہ ہے تو وہ مسلمان اور بار بار بورڈ میں نام میں بھی حاجی لکھا ہوا ہے۔ لیکن سامان دیتے وقت اور لیتے وقت اس کے رویے میں فرق کیوں تھا؟ اس رویہ کی وجہ سے میں نے آئندہ کبھی بھی اس سے پچھے نہ خریدنے کا تجیہ کر لیا اس طرح کے واقعات ہو سکتا ہے آپ کے ساتھ بھی رونما ہوئے ہوں، لیکن اس واقعہ کے پیچے ایک اہم کاروباری راز پا شدہ ہے جس کو ہمارے پیشتر تاجر اور کاروباری حضرات جانتے ہی نہیں۔

اسلامی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو خرید و فروخت کے معاملہ کو ختم کرنے کو شریعت میں "انقالہ" کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ خریدار خریدی ہوئی چیز دوکان دار کو واپس کر دے اور دکاندار خریدار کی اوکارہ رقم واپس کر دے۔

مدرسے

مصنف: سفیان خان

ایک دفعہ میں ان کے گھر کے سامنے سے گزر رہا تھا تو مجھے روک کر میرے کل شام کے نئی وی پروگرام پر تبصرہ فرمائے لگیں۔ مجھے جہاں ان کی علی گھٹکوئے جہاں کردیا ہاں ان کی لا جواب یادداشت نے میرے دل و مانگ کے کئی چڑائی ووش کر دیتی میں جتنی دیپاکستان میں رہتا ہوں ان سے جی بھر کر باتیں کرتا ہوں، ان کی ڈیپرساری باقی سننا ہوں جو وہ سارا سال میرے لئے جمع کر کے رکھی ہوتی ہیں۔ میں جب ٹیکنیکوں پر ان کو سلام کرتا ہوں تو ان کی خوش کلائی سے میرا دل محظی ہو کے رہ جاتا ہے لیکن مختصر ہی بات کر کے یہ کہہ کر ختم کر دیتی ہیں کہ تمہیں خواہ اس کا زیادہ بل آئے گا۔ آؤ گے تو خوب باتیں کریں گے۔

پانچ سال پہلے انی دنوں میں پاکستان میں تھا۔ آپستہ آپستہ سورج چڑھتے تھے اگا، بچل نہیں تھی تو گری بڑھنے لگی اور پھر سارا محلہ وقت سے پہلے ہی جاگ اٹھد۔ مخفیت میں نے اٹھتے ہی آواز لگائی: "ماں آئی لو یو۔"۔ تب سب سے چھوٹے کی آواز آئی، جہاں میں آپ سے جیت گیا۔ میں نے ماما کو سب سے پہلے "وش" کیا۔ تم تو پہنچ نمبر بھارتے رہتے ہو تو پھر دنوں میں تھوڑی دیر تکرار۔ مجھے سمجھ میں نہیں آیا تو میں نے پوچھا آج ایسا کون ساختا دن ہے؟ پلاپا! آج مر ڈے ہے، چھوٹے نے آواز لکائی۔ تب مجھے معلوم ہوا۔ پھر اس پر بحث ہونے لگی کہ کون سا بچہ اچھا ہے۔ کیا نتیجہ لکھا مجھے نہیں معلوم۔

میں کچھ دیر تک تو سوچتا ہو اور پھر خود بخوبی میرے پاؤں ان کے گھر کی سمت چل پڑے۔ وہ مجھے باہر ہی مل گئیں۔ کیمی میں آپ ماں جی..... بہت شرمندی ہیں وہ، مسکرا کیں اور کہنے لگیں تم کیسے ہو؟ آج صبح سویرے ہیں..... جی ماں جی آپ کو سلام کرنے آگئے۔

اور ہاں ایک اور بات..... میں آپ کو "وش" اکرنے آیا ہوں۔ کس بات کی "وش"؟ انہوں نے پوچھا۔ ماں جی! آج مر ڈے ہے نا۔ جیتے رہو میرے بیچے، سدا خوش رہو، خوشیاں دیکھو۔ ان کی آواز کازیروں میں کیسے تحریر کروں اور ان کے آنسو کیسے صفحہ پر کھیوں۔ تھوڑی دیر آسمان کی طرف گانکی باندھ کر دیکھتی رہیں، بالکل گم سم۔ آپ ٹھیک توہین ماں جی! میری آواز سن کر چونکہ سی گینیں اور واپس اسی دنیا میں لوٹ آئیں۔ اب تو تمہارے سر کے بالوں اور دلھی میں کافی سپیدی آگئی ہے، کیا تمہارے پوتے پوتیاں تم سے کہانی سننے کی فرمائش کرتے ہیں؟ جی ہاں، کبھی کبھار، وگرنہ آج کل تو اسکول کا ہوم ورک اور بعد میں کپیوٹر پر بچوں کی صروفیت کے بعد دوستوں سے موبائل فون کی گپ شپ اور نیکست پیغامات نے تو گھر میں ٹیکیت پیدا کر رکھی ہے، بچوں کے پاس اب بڑوں کے پاس بیٹھنے کی فرصت کہاں؟

تم نے مجھے "مرڈے" پر "وش" کر کے ماں جی تو ان لیا وہ اس میں کوئی تھک بھی نہیں کہ میں تم سے عمر میں کافی بڑی ہوں۔ چلو آج ہم دونوں ایک بھولی بسری روایت کو قائم کرتے ہیں۔ کہانی سنو گے؟ انہوں نے اچانک مجھ سے یہ فرمائش کر دی۔ "ضرور، کیوں نہیں، مدت ہوئی مجھے کوئی کہانی سے ہوئے۔" انہوں نے ایک کہانی سنائی۔ آپ بھی سنیں:

ایک شخص اپنی ماں کو بچوں بھجوئے کا آرڈر دینے کے لیے ایک گل فروش کے پاس پہنچ۔ اس کی ماں دو سو میل کے فاصلے پر رہتی تھی۔ وہ شخص پلت کر گل فروش کے پاس پہنچا اس نے اپنا آرڈر منوچ کروایا اور ایک گل دستے لے کر فوری اپنی ماں سے ملے کے لیے روانہ ہو گیا۔ آخری فقرہ کہتے ہوئے ان کی آواز لکپانے لگی تو میں نے اپنی بھی گردن اٹھا کر ان کے چہرے پر نظر ڈالی تو انہوں نے منہ پھیر لیا کہ میں ان کی آنکھوں کی چغلی نہ پکڑوں۔ کتنا مشکل ہے اس طرح جینا.....! "اس سوال کا ہے کوئی جواب آپ کے پاس؟" اگر نہیں تو پھر جلدی سمجھتے کہ ہمارے لئے توہر دن "مرڈے" ہے۔ پھر کہتے ہیں جیوں کی اک دکھیاری بیٹھی ماں بیوی نہیں، جو کاٹ رہی ہے

کہیں سے بھی سمجھی ہوئی نظر نہیں آتی وہ۔ ہر دم ہر کام کے لیے کربیتہ، ہر لمحہ مسکراتی ہوئی، اکثر کام پر نظر آتی ہیں۔ ایک کاپی ان کے ساتھ سفر میں رہتی ہے جس پر دکاندار سدوا سلف دے کر لکھ دیتا ہے اور پھر ہر ماہ پیسے وصول کر لیتا ہے۔ کپڑے مناسب ہی ہوتے ہیں۔ کبھی وہی لینے جادی ہیں، سویرے چھوٹے بچوں کو اسکول چھوڑنے جادی ہیں، دوپہر میں ان کا بابت اٹھائے آری ہیں۔ شام کوچے جب گلی میں کھیلتے ہیں تو وہ ان کی ٹکرائی کرتی ہیں۔ لڑائی ہو جائے تو بچوں میں صلح کراتی ہیں اور نجائب کیا کیا۔ کبھی ایک بہو کے ساتھ جارہی ہیں کبھی دوسرا کی دوالاری ہیں۔ ہر دم تازہ دم۔ میں انہیں اکثر ہی دیکھتا ہوں اور چھٹی والے دن تو خاص طور پر۔ اتوار کو صبح سویرے ہر طرف سنا ہوتا ہے بندہ نہ بننے کی ذات لکین وہ اللہ کی بنی اسرائیل کی دل کرتی ہیں، خشک پتے سیمیتی ہیں، پھر پانپ لکر چھڑ کر کرتی ہیں۔



اس اتوار کو بھی بھی ہو۔ میں چھت پر کھڑا نہیں دیکھ رہا تھا اور وہ اپنے کام میں منہک تھیں۔ مجھے تو نہیں لگتا کہ وہ کبھی آرام کرتی ہوں گی۔ کبھی کبھی وہ اکیلی بیٹھی آسمان کو بنتی ہیں۔ بس ایک دفعہ میں نہیں اپنی آنکھیں صاف کرتے دیکھا ہے اپنی سفید چادر سے۔ شوہر کا انتقال تو بہت پہلے ہو گیا تھا، پانچ بیوں کی ماں ہیں وہ اور وہ سب کے سب باہر میں ہیں۔ شاید وہ بھوکیں ان کے ساتھ رہتی ہیں۔ ان کا کوئی بیٹا پاکستان آ رہا ہو تب ان کی خوشی دیدنی ہوتی ہے۔ پورے محلے کو بتا تی پھر تی ہیں: وہ کیونیں اولاد آرہا ہے۔ اور پھر وہ دن بھی آ جاتا ہے جب ان تک رہتا ہے توہ جو دن تک رہتا ہے توہ بہت خوش ہوتی ہیں۔

ہاں ایک دن اوس تھیں کہ وہ تو آتے ہی اپنے بچوں کو گھمانے پھرانے لگتا ہے، میراچ پر پھر بھی مجھے نہیں ملتا، پھر وہ واپس چلا جاتا ہے اور ماں کی اواسی اور بھی گھری ہو جاتی ہے۔ جن بیویں کے یوہی بچے باہر ہیں، وہ توکنی کنی سال کے بعد اگر آتے ہیں تو ان کے پاس ایک چھوٹی سی ڈائری ضرور ہوتی ہے جس میں پہلے سے لکھا ہوتا ہے کہ پاکستان کے غلام وقت اسے ہر حال میں اپنی بیوی بچوں کو فون ضرور کرنا ہے، بیوی بچوں کی فرمائشوں کی ایک لمبی فہرست الگ ہوتی ہے جن کی خریداری میں ساروں بھیکے کے بعد جب واپس گھر لوٹتا ہے تو برسوں کی منتظر میں کے سامنے اپنی شکاوٹ کاٹھا کر کے لینے کی کوئی جگہ ڈھونڈنے کرے خبر سوچتا ہے اور ماں بار بار سوئے بیٹے کو دیکھ کر خوش ہوتی رہتی ہے..... یہ ہے ان کی زندگی۔

سنائے کہ وہ ایک کانچ کی پر نپل رہ چکی ہیں، ساری عمروں و مدرس میں گواردی۔ اب بھی کئی غریب بچوں کی کفالت انتہائی پر وہ داری اور خاموشی کے ساتھ سرانجام دیتی ہیں۔ مجھے اس بات کا کبھی پتہ نہ چلتا گی، بڑھا کیا مجھے اس کی اطلاع نہ دیتا۔

نئی زندگی

مصنف: سفیان خان

ہے اور آنتوں میں ہوا بھری ہوئی ہے۔ ۱۶ جنوری کو آپ یعنی
کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا جس معمول اسی دن آپ یعنی ہو گیا یہ
آپ یعنی ڈاکٹر امیر افضل صاحب نے پوری محنت توجہ اور پیشہ
واردہ تجربے سے کیا۔ حالت نازک ہونے کے باعث آئی کی یہ
میں شفت کیا گیا جہاں چہ دن تک زیر علاج رہا۔ پھر باہر شفعت
کردیا گیا آپ یعنی کے بعد ڈاکٹر وزیر حسن جیسا نرم دل، معنی
معاуж ملا جھنوں نے شب و روز ایک کردیجے بھر پور توجہ دی
ڈاکٹر ذیشان سروڑ، ڈاکٹر کاشف، ڈاکٹر حینف کے اخلاق سے بے حد
متاثر ہواز نگٹ شاف میں سے تکمیل بھائی اور دیگر سرز کی شبانہ
روز محنت نے ملاج میں اہم کراور ادا کیا۔ چاروں وارڈ میں رہنے
کے بعد ۲۵ جنوری کو ڈیچارج کردیا گیا مگر ڈرین اور ٹی ٹیوب
نہیں نکال کیوں کہ ڈاکٹر امیر افضل نے ڈاکٹر ز کو کہا تھا کہ اس
مریض کی یہ دونوں نالیاں لگی رہنے دیں جب تک سر جریلو ہجی کی
رپورٹ نہیں آجائی۔

ریاضیا ہجی کی رپورٹ کے بعد آپ یعنی تھیز میں بولایا گیا جہاں
ڈاکٹر نے رپورٹ کا مطالعہ کیا تو انھوں نے کہا کہ ابھی دو
پتھریاں مزید ہیں صبح وارڈ میں آئیں اگلے دن وارڈ میں گیا تو
ڈاکٹر امیر افضل نے رپورٹ دیکھی تو کہا کہ یہ رپورٹ بتا رہی
ہے کہ پتھریاں نہیں ہیں جن کو پتھریاں کہا جا رہا ہے وہ
درحقیقت پتھریاں نہیں ہیں۔ باقی نالیاں بھی نکال دی گئیں
چو میں گھنے وارڈ میں تھرے کا کہا اگلی صبح راؤنڈ کے دوران
محض ملاقات کے بعد گھر بیج دیا گیا۔ چند دن کے بعد فیلی ڈاکٹر
ڈاکٹر عدنان سروڑے ملاقات کی تو انھوں نے ایک تجربہ کار
ڈاکٹر کے پاس اخراج اتنا کیلئے ریفر کیا۔

الٹراسائٹ کیا گیا تو رپورٹ وہی تھی جو ڈاکٹر امیر افضل نے کہا
تھا۔ ملاج کے دوران یہ بات خاص طور پر نوٹ کی گئی کہ
چھوٹے درجے کے عملہ کی ترتیب کا شدید فرقہ ہے۔ وارڈ میں
واحیں کے بیٹھنے کیلئے ڈیک، پرانے خستے حال بیٹز اور گدے
خواہی خدمت کی دعویے دار حکومت کو منہ چڑھا رہے تھے۔ علاج
کے دوران اسلامی اخوت و مواتا کا عظیم مظہر دیکھنے کو ملا
۔ اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کی حفاظت فرمائے جھنوں نے بیماری
کے دوران رام کے ساتھ کسی قسم کا سمجھی تعاون کیا۔

اس کا علم نہ ہو سکا مجھے بیڈ سے اٹھا کر کہیں لیجانے کیلئے
سترپچر پر ڈالا گیا لفٹ کے ذریعے بالائی منزل سے نیچے لایا گیا
جب ایمیر ہجی سے باہر لایا گیا تو پھر پر بادشاہ کے کچھ قطرات
پڑے تو احساس ہوا کہ مجھے کہیں اور لیجایا جا رہا ہے ایمپیلس
میں رکھا گیا تو سمجھا شائد کسی اور ہپتال میں شفت کیا جا رہا ہے
میرا ملاج کرنا میو ہپتال والوں کے بس میں نہیں ہے۔ ایمپی
لیں نے پاچھ مٹ کے بعد کہیں لاترا وہاں سے مجھے کہیں میں
مغل کیا گیا سا وقت تو علم نہ ہو سکا کہ میں کہاں آگیا ہوں
البتہ چار پاچھ گھنٹوں کے بعد جب کچھ حالت سنبھلی تو پتہ چلا کہ
میو ہپتال کی گوجرانوالہ وارڈ (ایس سر جریکل وارڈ) میں شفت
کر دیا گیا۔

یہ ۲۳ جنوری ۲۰۱۷ء میگل کا دن تھا۔ ہر روز ڈاکٹر ز صبح کو راؤنڈ
کرتے چیک کر کے ٹپے جاتے، ٹیشوں کو روزانہ کی بیاد پر کیا
جانے لگا ایک دن ورڈ کے بیڈ ڈاکٹر امیر افضل راؤنڈ کرتے
ہوئے میرے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ اس حالت میں بغیر
تشخیص کے جو بھی آپ کا ملاج کرے گا وہ خود بھی پریشان
ہو گا اور تمہیں بھی پریشان کرے گا۔
میں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب آپ تشخیص کیلئے بتائیں کہ ہم کیا
کریں انہوں نے کہا کہ آپ E.R.C.M.R.C.P کوں پھر ہم کی نتیجہ پر پہنچ سکیں گے، میں نے
استفسار کیا کہ میو ہپتال سے یہ ٹیسٹ نہیں ہو سکتے
امیر افضل نے بتایا کہ سہولت میسر نہیں ہے یہ سن کر میں
کیوں نکہ یہاں پر ان کی سہولت میسر نہیں ہے یہ سن کر میں
چیراں رہ گیا کہ ایشیاء کے سب سے بڑے ہپتال میں ان
ٹیشیوں کی سہولت موجود نہیں یہ ٹیسٹ تو اپنائی ہم میں ان کی
سہولت تو سرکاری ہپتال میں ہوئی چاہیے یہ سہولت نہ ہونے
کے باعث مریض تو بہت ذلیل درسو ہوتے ہوں گے حکومت کو
چاہیے کہ ان ٹیشیوں کی سہولتوں ملک بھر کے تمام سرکاری
ہپتالوں میں فراہم کرے۔

M.R.C.P تو سیکھا رام ہپتال سے جلد ہی ہو گئی
مگر E.R.C.P کروانا ہمارے لئے مشکل ترین کام ہو گیا کیونکہ
اس ٹیسٹ کیلئے جس سرکاری ہپتال سے رابطہ کرتے تین ماہ ہو
ماہ، پندرہ کا نامم ملتا تھا دیر انتشار کرنا خطرے سے خالی نہیں
تھا کیوں نکہ ۱۰۲ بخار دن میں دو سے تین بار ضرور ہوتا تھا جس
سے حالت اپنائی خراب حد تک پہنچ پہنچ تھی۔ حالت کو مدد نظر
رکھتے ہوئے مغل اس تھیوں ڈاکٹر ٹائم الدین اور بریگڈر ٹائم (R) محمد
حنف صاحب نے سی ایم ایچ سے ای۔ آر۔ سی۔ پی کردارے کا
فیصلہ کر لیا دو دن میں ہی یہ ٹیسٹ اللہ کی توفیق اور مدد سے
ہو گیا۔ سی ایم ایچ کے ڈاکٹر ز نے چھوٹی پتھریاں نکال دیں ایک
بڑی پتھری رہ گئی جو آپ یعنی سے ہی نکل سکتی تھی۔
دونوں ٹیشیوں سے جو پتھریں ہوئی وہ یہ تھی کہ جگر کے باہر
ایک تھیلی بن گئی ہے اور سی۔ بی۔ ڈی میں پتھری

۲۰ جنوری کو گیارہ بجے کلاس سے فالغ ہو کر گھر میں بات
چیت ہو رہی تھی کہ پیٹ دو بلکی بلکی شروع ہو گئی، مقامی
ڈاکٹر سے دوائی لی تک آرام نہ آیا شام ۷ بجے اپنے فیلی ڈاکٹر کے
پاس گیا تو انہوں نے میو ہپتال بیج دیا کہ مسئلہ ٹیسٹ ہے
ساتھ اپنے لیٹر پیڈ پر ہپتال کے ڈاکٹر کو کچھ ٹیسٹ کرنے کا
بھی کہا۔

ٹیسٹ کے تو جگر کا مسئلہ سامنے آیا کچھ آرام آنے کے بعد ہپتال
والوں نے گھر بیج دیا اگلے دن طبیعت مزید خراب ہو گئی شام
فیلی ڈاکٹر کے پاس گیا تو انہوں نے پھر میو ہپتال میں اپنے
میگزین کے ساتھی علی رضا کے ساتھ ہپتال چلا گیا انہوں نے
مارٹی علاج کر کے آج پھر مجھے گھر بیج دیا۔ اوارکو طبیعت کچھ
چیک ہوئی پھر کو شام کو طبیعت سخت خراب ہو گئی فیلی ڈاکٹر کے
پاس پہنچا تو انہوں نے سب مریضوں کو چھوڑ کر مجھے چیک کیا تو
انہوں نے کہا کہ ہپتال والے آپ کو داخل کیوں نہیں
کرتے؟ آپ کی طبیعت سخت خراب ہے۔

آپ کو کوئی ٹیسٹ مسئلہ درپیش ہے۔ آپ فوری ہپتال جائیں پھر
انہوں نے اپنے لیٹر پیڈ پر سرکاری مہر کے ساتھ ہپتال کے
ڈاکٹر ز کو کچھ ہدایات یا آراء لکھ کر مجھے دیں۔ ہم ہپتال پہنچ گئے
ساتھ ہی ماموں ملک محمود الحسن، سرفراز، حق نواز، ملک قدری بھی
ہپتال آگئے۔ ہپتال امیر ہجی میں میڈیکل اور ایمپیلس
جات کے ڈاکٹر ز اس بجٹ میں الجھ کے ہے یہ ہمارا مریض نہیں
ہے۔ مجھے ساتھی میڈیکل والوں کے پاس لے کر جاتے تو وہ کہتے
کہ سرجی و والوں کے پاس جاؤ سرجی و والوں کے پاس جاتے تو
وہ کہتے کہ میڈیکل والوں کے پاس جاؤ۔

صورت حال کو دیکھتے ہوئے ملک محمود الحسن ن لیک لالہور کے
جو اجٹ سیکرٹری نے بلال یاسین ایم اے کو فون کیا کہ
ہمارے مریض کو امیر ہجی میں علاج کی سہولت میسر نہیں بلال
یاسین نے ہپتال فون کیا تو علاج شروع ہو گیا مجھے ۱۰۲ بخار تھا
اپنی حالت سے بھی لا علم تھا ایسے موسوس ہو رہا تھا کہ زندگی
کے آخری سانچ چل رہے ہیں زبان پر کلمہ طبیب جاری ہو گیا۔
یقین ہوتا جا رہا تھا کہ اپنے خاق حقیقی کو کچھ دیر بعد ملنے والا
ہوں۔ رات کافی بیت پچھی تھی وقت دیکھتا یا پوچھتا یا
تھا کیوں نکہ اپنے آپ کا علم بھی نہ تھا اور یہ بھی علم نہ تھا کہ
کہاں ہوں؟ ایک وقت ایسا آیا کہ حق نواز بھائی کو دیکھا جو پاس
کھرا اپنائی پریشان تھا مگر شدید بیماری کے باعث اس سے بھی
بات نہیں کر سکتا تھا۔

علاج کرتے کرتے دن کی روشنی نمودار ہو گئی مگر مجھے

